حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ آفاق فتاویٰ

فتاویٰ نعیمیہ

اِدارہ کُتبِ اِسلامیہ گجرات

الحمد للہ کہ مجموعہ مسائل دینیہ مدلل بدلائل یقینیہ!

مسمّٰی بہ

فتاوٰی نعیمیہ

جس میں

حضرت مولانا الحاج حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ معرکۃ الآرا

فتاوٰی جمع کر دیئے گئے ہیں۔ جن کی موجودہ

زمانہ میں اشد ضرورت ہے

○

مؤلفہ

حافظ محمد عارف فاروقی ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات

○

مدینہ کتاب گھر

ناشر

ادارہ کتب اسلامیہ چوک پاکستان

گجرات

جُملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔

نام کتاب ——— فتاوٰی نعیمیہ (مفتی احمد یار خان نعیمیؒ)

مؤلفہ ——— حافظ محمد عارف صاحب نادری، ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات

صفحات ——— ۱۶۰/-

ناشر ——— ادارہ کتب اسلامیہ

پرنٹرز ——— پیر بھائی پرنٹرز۔ لاہور

تعداد ——— ایک ہزار

ملنے کا پتہ، مکتبہ اسلامیہ، ۴۰۔ اردو بازار۔ لاہور

عرضِ ناشر

السلام علیکم! حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور عالم "فتاوی نعیمیہ" آپ کے سامنے ہے، کتاب تقریباً ۲۵ برس قبل شائع ہوئی تھی پھر اس کے بعد گونا گوں مصروفیات کی وجہ سے اس کی اشاعت معرض التوا میں رہی تا آنکہ اب ایک طویل عرصے کے بعد ہم نے کتابت کروا کے انتہائی دلکش انداز میں پورے اہتمام کے ساتھ شائع کر کے تشنگانِ علم کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ حضرت حکیم الامت کے "فتاوے" عالم اسلام میں جو اہمیت اور مقام رکھتے ہیں وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے اور ضرورت تھی کہ "فتاوی نعیمیہ" کو بہر صورت شائع کیا جائے اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر رحمت کے صدقہ ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ آپ حضرات فتاوی کی اہمیت کے ساتھ ساتھ کتاب کو ظاہراً بھی خوبصورت پائیں گے یقیناً آپ کے جمالیاتی ذوق کی تسکین بھی ہوگی ان شاء اللہ
دعا فرمائیں اللہ بزرگ و برتر اسے ہمارے لئے وسیلہ بخشش بنائے۔ آمین والسلام

افتخار احمد خاں مفتی

مکتبہ اسلامیہ۔ لاہور

بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہٖ

کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلامِ شیخ سعدی

کتبہٗ گوہر قلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا
عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

موجودہ زمانہ میں مبارک ہیں وہ ہستیاں جن کی ذات جن کی زبان جن کے قلم مشغول روایات ہیں اور نیک بخت ہیں وہ لوگ جو ان ہستیوں سے وابستہ رہ کر موجودہ زہریلی ہواؤں اور آندھیوں سے محفوظ ہیں۔ کیونکہ آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں۔ وہ نہایت ہی خطرناک زمانہ ہے۔ کفر والحاد، بے دینی کی ایسی تیز آندھیاں چل رہی ہیں کہ ان سے خرمن ایمان سخت خطرے میں ہے۔

سرزمین گجرات خوش قسمت خطہ ہے کہ ہمیشہ سے یہ صوفیاء وعلماء کا مرکز رہا اور حضرت مولانا الحاج حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی کا وجود اہل سنت کے لئے خدا کی رحمت اور اہل گجرات کے لئے باعث فخر ہے۔ مفتی صاحب چار کام انجام دے رہے ہیں۔ درس قرآن کریم، تدریس، فتاوی، وعظ، درس اور وعظ کا کچھ حصہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا۔ کہ تفسیر نعیمی کے تین پارے آپ ملاحظ فرما چکے۔ اسی طرح مواعظ نعیمیہ کی دو جلدیں آپ کے مطالعہ سے گذر چکی ہوں گی۔ مجھے عرصہ سے فکر تھی کہ حضرت کے فتاوی بھی شائع ہو جاویں۔ مگر ہر کام کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ موقع نہ ملا۔ ادھر دشواری یہ پیش آ گئی۔ کہ تمام فتاوے لکھے نہ گئے بلا مبالغہ سینکڑوں فتوے جاری ہوتے ہیں۔ مگر صرف دو چار قلمبند ہوتے ہیں۔ پھر ان جمع شدہ فتووں کا ایک بھاری ذخیرہ جام نگر (بنگال) کے ایک صاحب نے ایسا پسند فرمایا۔ کہ اسے لے کر خود غائب ہو گئے۔ پھر دوبارہ جو ذخیرہ جمع ہوا اس کا ایک حصہ ایک صاحب نے چھپوانے کیلئے لیا اور گم کر دیا۔ اس سے سخت قلق تھی۔

بڑے فتاوی جو رسالہ کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ وہ ضرورت زمانہ کو محسوس کرتے ہوئے علیحدہ علیحدہ کتابی شکل میں چھپا دیئے گئے۔ چنانچہ سلطنت مصطفے۔ قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء۔ رسالہ بیس رکعت تراویح۔ رسالہ یکدم تین طلاق۔ رحمت خدا بوسیلہ اولیاء اللہ۔ ایک اسلام وغیرہ

اسی فتاوے کے نسخے ہیں۔ جو کتابی شکل میں چھپ کر آپ تک پہنچ چکے۔ اتفاقاً ایک فہرست میں فتاویٰ نعیمیہ کا اشتہار چھپ گیا۔ خلقت نے تقاضوں سے ہمیں سخت پریشان کر دیا کہ فتاویٰ نعیمیہ بھیجو۔ بعض صاحبوں نے قیمت پیشگی بھیج دی۔ اس لئے مجبوراً فتاویٰ جس حال میں تھا اسی طرح بے ترتیب شائع کیا جا رہا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں اور فتوے زیادہ کر کے ترتیب وار شائع ہوگا۔ ناظرین انتظار اور دعا فرماویں۔

محمد عارف
فارسی ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات

خطبۂ جمعہ کا حکم

فتویٰ نمبر ۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں کے پیش امام صاحب سے پہلے ہی لوگوں کو شکایت تھی کہ خطبہ بہت طویل پڑھتے ہیں۔ اب انہوں نے نیا طریقہ اختیار کیا ہے کہ خطبہ سے پیشتر اردو زبان میں مضمون خطبہ کے علاوہ دوسری تقریریں شامل کر کے بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لوگوں نے محسوس کیا ہے کہ ان تقریروں میں علماء پر چوٹ طنزیہ جملے ذاتی جذبات کا بھی شمول ہے۔ ان تقریروں کے بعد اذان ثانی ہو کر خطبہ شروع کیا۔ مقتدیوں میں اس کا چرچا ہوا۔ یہاں لوگ اکثر نماز جمعہ کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔ اس لئے یہ تاخیر ان کو زیادہ گراں پڑتی ہے۔ متولی اس سے منع کرتے ہیں کہ یا تو بعد عشاء یا بعد جمعہ یہ مضمون بیان کرو تاکہ نمازیوں پر بار نہ ہو۔ آیا یہ منع کرنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

عبدالرزاق مدرسہ محمدیہ اللہ بریدہ گجرات

الجواب

بعون الملک العلام الوھاب۔ امام صاحب کو متولیان مذکورہ کا ان امور سے روک دینا بالکل درست ہے بلکہ ضروری ہے۔ کیونکہ امام صاحب کا یہ طریقہ خلاف شرع ہے۔ خلاف

شرع امور سے روکنا بہت ضروری ہے۔ خطبہ نماز سے بڑھا دینا مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے۔ اِنّ طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقہہ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ (مسلم) عالمگیری میں ہے۔ الرابع عشر تخفیف الخطبتین بقدر سورۃ من طوال المفصل ویکرہ التطویل۔ خصوصاً جبکہ مسلمان طوالت سے گھبراتے ہوں۔ واعظ اور ناصح کو ضرور ہے کہ مسلمانوں کی رغبت کا خیال رکھے۔ اتنا دراز وعظ نہ کہے۔ کہ مسلمان گھبرا جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔ لاتمل الناس ھذا القرآن (بخاری) لوگوں کو اس قرآن سے گھبرا نہ دے یعنی اتنا وعظ نہ کہو کہ لوگ گھبرا جائیں۔ وعظ میں نرمی اور تلطف کا بہت لحاظ رہنا چاہیئے۔ کذا فی الھندیۃ۔ لہٰذا امام صاحب کا یہ طریقہ کہ خطبہ طویل کریں۔ نیز لوگوں کو گھبرا دیں۔ نیز وعظ میں غیظ وغضب سے کام لیں۔ تمام کے تمام خلاف شرع ہیں ان کو خود ہی اس سے احتیاط کرنا چاہیئے۔ اگر خود احتیاط نہ کریں تو ان کو روک دینا چاہیئے۔ نیز خطبہ اس کا کسی اور زبان میں عربی کے سوا درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

احوج الناس الی حبیب الرحمٰن

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

۱۹ ذی الحجہ یوم جمعہ مبارک ۱۳۵۰ھ

فتوی نمبر ۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسا مدرسہ قائم کرنا جس میں دینی علوم سکھائے جائیں انگریزی کی تعلیم نیز صنعت وحرفت وتجارت ودرستی معاشرت واخلاق کی تعلیم کا معیار بھی مقرر کیا جائے اور مغربی تہذیب وتمدن سے بچا کر طالب علم کو ایسا بنایا جاوے کہ دین اور دنیا کا مداح ہو جائز ہے یا نہیں جواب تسلی بخش ہو۔

محمد اکرم عمری مجددی

مہتمم مدرسہ ارشاد العلوم رامپور ریاست

الجواب

بعون الملک العلام الوھاب۔ بقدر ضرورت علم سیکھنا سخت ضروری ہے۔ بضرورت دنیاوی ودینی دونوں کو شامل ہے۔ یعنی دنیاوی و دینی ضروریات جس قدر علم سے پوری ہوں۔ سیکھنا ضروری ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ فیتناول ما ھو دینی کصلوٰۃ الجنازۃ وکالصنائع المحتاج الیھا۔ اسی مقام پر ہے۔ واما فرض الکفایۃ فی العلم فھو کل علم لا یستغنی عنہ فی قوام امور الدنیا کالطب والحساب الیٰ ان قال واصول الصناعات کالفلاحۃ کالحیاکۃ والسیاسۃ والحجامۃ۔ علم دین تو ہر مسلمان پر سیکھنا بقدر ضرورت فرض عین ہے۔ انگریزی بھی فی زمانہ ضروری ہوگئی کہ اس سے بہت سی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ صنعت وحرفت بھی اشد ضروری چیزیں ہیں۔ کہ کسب حلال کا حدیث میں تاکیداً حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ مرقات میں اسی کے ماتحت ہے۔ اذ کسب الحلال اصل الورع واساس التقویٰ۔ نیز حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ قیل یا رسول اللہ ای الکسب اطیب قال عمل الرجل و کل بیع مبرور۔ غرضیکہ حلال صنعتیں اور جائز پیشے ضروریات زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی پیشہ بغیر سیکھے نہیں آتا۔ اس لئے اس کا سیکھنا بھی ضروری۔ لہٰذا ایسی درسگاہ جس میں علوم دینیہ اور علم انگریزی وصنعت وحرفت کی تعلیم ہو۔ بہت ہی اچھی ہے اور قائم کرنے والا بہت اجر کا مستحق ہے۔ تعلیم انگریزی میں اس بات کا لحاظ رہے کہ طالب علم صاحب دین بنے۔ علی العموم انگریزی دان حضرات میں انگریزیت سرایت کر جاتی ہے کہ وہ دین سے اجنبی تو کیا دین اور اہل دین کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اور جو نقصان کفار دین کو نہ پہنچا سکیں۔ یہ نادان دوست پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ صورت ہوئی۔ تو سخت حرام اور اس کی معاونت کرنے والا مجرم ہوگا۔ اگر دین کا صحیح جذبہ رکھتے ہوئے انگریزی تعلیم حاصل کی جاوے۔ تو انگریزی دان دین کو اس سے بہت فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس طرح صنعت وحرفت والا اپنی ضروریات میں دوسروں کا دست نگر نہ ہوگا۔ واللہ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم

احمد یار خان نعیمی اشرفی غفرلہ

۲۰ ذی الحجہ یوم جمعۃ المبارک ۱۳۵۸ھ

فتویٰ نمبر ۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کے نکاح میں لڑکے والے سے کہا کہ مہر کے علاوہ بغیر قرض اگر آپ اس شرط پر روپیہ دیں گے تو میں بارات کو کھانا کھلا سکتا ہوں ورنہ نہیں۔ یہ روپیہ لینا جائز ہے یا حرام؟

محمد حسین چاٹگام
۲۵ ذی الحجہ [illegible]ھ

الجواب

بعون الملک العلام الوهاب:۔ یہ سوال ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اگر روپیہ کی شرط پر نکاح کرتا ہے کہ بغیر اس کے ادا کئے نکاح ہی نہ کرے۔ تب تو یہ رشوت ہے اور رشوت لینا حرام ہے۔ درمختار میں ہے۔ اخذ اهل المرأة شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده لانه رشوة۔ ردالمحتار میں ہے وکذا الولی ان یزوجها فللزوج الاسترداد قائماً او هالکا لانه رشوة۔ اور اگر یہ روپیہ شرط نکاح نہیں ہے بلکہ ویسے دعوت کے لئے مانگتا ہے تو سوال ہے اور مہمانوں کی دعوت اتنی ضروری نہیں کہ اس کے لئے سوال جائز ہو۔ حدیث پاک میں ہے۔ ان المسألة لا تحل الا لاحد ثلثة رجل تحمل حمالة فحلت له المسئلة۔ حتی یصیبها ثم یمسک ورجل اصابته جائحة او حاجة الحدیث: فرق دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ پہلی صورت میں تو شوہر روپیہ واپس لے سکتا ہے کما ذکرنا اور دوسری صورت میں واپس نہیں کر سکتا کہ یہ ایک ہدیہ تھا۔ اگرچہ اس کا مانگنا ناجائز تھا۔ ہاں اگر عرف اس پر قائم ہو کر لڑکے والے بطور خود لڑکی والے کے یہاں کچھ روپیہ وغیرہ دوسری چیز ہدیۃً شادی کے پہلے یا بعد بھیجتے ہوں تو درست ہے کہ ہدایہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وکذا ما یعطیها من ذلک او من دراهم ودنانیر صبیحة لیلة العروس فان کل ذلک تعورف فی زماننا کونه هدیة۔ واللہ اعلم۔

احوج الناس الی حبیب الرحمٰن
احمد یار خان نعیمی اشرفی
۱۵ ذی الحجہ یوم پنجشنبہ ۱۳۵۶ھ

فتویٰ نمبر ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کا صحیح وزن اسی روپیہ سیر سے کیا ہے۔ یا سکۂ رائج الوقت سے کتنے روپیہ بھر ہے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

صاع ۴ مُد یعنی ۴ من عربی کا ہوتا ہے اور ایک مُد دو رطل کا اور رطل بیس استار کا اور ایک استار ۴ ½ مثقال کا اور ایک مثقال ۴ ½ ماشہ کا اس حساب سے صاع ۲۹۲ روپے بھر کا ہوا۔ جس کے ۸۰ کے سیر سے تین سیر اچھٹانک ۲ روپیہ بھر کا ہوا۔ عالمگیری میں ہے۔ والصاع ثمانیة ارطال بالبغدادی والرطل البغدادی عشرون استارا والاستار اربعة مثاقیل و نصف۔ درمختار میں ہے۔ اعلم ان الصاع اربعة امداد۔ والمد رطلان والاستار اربعون والاستار بکسر الهمزة بالمثاقیل اربعة و نصف ہمارے اس حساب سے رطل بغدادی ۳۶ روپیہ چند ماشہ بھر ہوا اور رطل کا صاع بنتا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ رطل چالیس روپے بھر کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے صاع ۳۲۰ روپیہ بھر کا ہوا۔ جو کہ ۸۰ سیر سے ۴ سیر ہوا۔ لیکن یہ بات صرف مشہور ہی ہے نہ کہ تحقیقی۔

خیال رہے کہ صاع کے وزن میں اُردیا مسور کا اعتبار ہے کہ ان کا وزن گھٹتا بڑھتا نہیں۔ جب گیہوں یا جو سے حساب لگایا جائے گا۔ تو ایک صاع میں وزنی گیہوں زیادہ سمائیں گے اور ہلکے کم اسی لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے صاع کا وزن احتیاطاً وتحقیقاً ۳۵۱ روپیہ بھر تجویز فرمایا ہے کہ وزنی سے وزنی گیہوں ایک صاع میں اتنا ہی آسکے گا۔ اس صورت میں زیادہ تو ادا ہو جائیگا مگر کم نہ ہوگا۔ اس لئے مسلمانوں کو اسی پر عمل چاہیئے درمختار میں ہے۔ وبناءً علی تقدیر الصاع

بالدقیق او السویق اما عطه تقدیرہ بالحنطۃ او الشعیر وھو الاحوط فیؤدیہ نصف الصاع علی ذالک فالاحوط اخراج ربع صدشا می علے التمام من الحنطۃ الجیدۃ ۔
اس تقدیر پر صاع بحساب اسی روپیہ کے چار سیر چھٹانک اور روپیہ بھر ہوگا۔ اسی حساب سے فطرہ نصف صاع گیہوں دیا جائے یعنی ۵، ۲ روپیہ اٹھنی بھر۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں نعیمی عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ درود پاک میں آل سے مراد اولاد پاک و ازواج مطہرات و صحابہ کرام و جملہ مومنین ہیں یا صرف اہل بیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ نیز یہ بھی تحریر فرمایا جائے کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت علی کرم اللہ وجہ اور تمام ازواج مطہرات داخل ہیں کہ نہیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

لفظ آل کی مراد میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک ہے۔ اور بعض کے نزدیک آل سے مراد اہل و عیال یعنی اولاد پاک و ازواج مطہرات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ہر متقی آل ہے۔ اور بعض کے نزدیک ہر مومن آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قرآن کریم نے فرعون کے متبعین کو آل فرعون فرمایا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ آل رجل اہل و عیال وے و اگرچہ بمعنی اتباع نیز آمدہ و ظاہر آنست کہ مراد در حدیث بمعنی اتباع باشد و بعض آں را تفسیر اہل بیت کنند بعض گفتہ کہ مقصد برادرام است۔ حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے۔ اختلفوا فی الآل من ھم فقیل من حرمت علیہ الزکوٰۃ کبنی ھاشم و بنی المطلب والفاطمۃ والحسن والحسین وعلی وقیل کل مومن فی آلہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال الشیخ ھو الحق ان ازواجہ صلی اللہ علیہ وسلم داخلۃ فی ھذا الخطاب وال ایضا بمعنی الاتباع و بھذا

المعنی ورد ای حل مومن ومال الیہ مالک ورجحہ النووی فی شرح المسلم بہتر یہ ہے کہ درود پاک میں آل سے مراد عام مسلمین لئے جاویں کہ یہ معنی سب کو شامل ہے اور رحمت الٰہی بھی شامل۔ ہم بلاوجہ تخصیص ذاتیۃً کے کیوں مصداق بنیں۔ صحیح یہ ہی ہے کہ اہل بیت رسول اللہ حضور کی اولاد پاک وازواج مطہرات کو کہتے ہیں۔ کیوں کہ اہل بیت کے لغوی معنی ہیں گھر والے۔ اور گھر دو طرح کے ہیں۔ خانہ ولادت ، وخانہ سکون۔ اولاد خانہ ولادت والے ہیں اور ازواج خانہ سکونت والے۔ اور بیت اس جگہ مطلق ہے۔ تو حضور کی اولاد پاک یعنی فاطمہ زہرا وحسنین کریمین و دیگر اولاد پاک نیز حضرت علی وازواج مطہرات رضی اللہ عنہم اجمعین سب ہی مراد ہوں گے۔

اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ کے متعلق فرماتے ہیں کہ "حق آنست کہ ازواج مطہرات نیز داخل این خطاب اند زیرا کہ سوق آیہ قرآنیہ منادی است بدخول"۔ مرقاۃ المفاتیح میں حدیث عترتی واھل بیتی کے ماتحت ہے۔ اراد بذالک نسلہ وعصابۃ الادنین وازواجہ۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ فخر رازی گفتہ کہ اولیٰ آنست کہ گفتہ شود اہل بیت ازواج اولاد آنحضرت اند قرآن کریم کی ایک سورۃ کا نام آل عمران ہے اس سورت میں عمران کی بیوی حنہ اور بیٹی مریم دونوں ہی کا قصہ مذکور ہے۔ معلوم ہوا کہ لفظ آل بیوی واولاد کو شامل ہے۔ واللہ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ہر سال ماہ محرم میں تعزیہ بناتا ہے اور کبھی امامت بھی کرتا ہے۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تم تعزیہ بنانا چھوڑ دو۔ وہ کہتا ہے۔ کہ میں صناع ہوں۔ اپنی صنعت دکھاتا ہوں۔ تعزیہ نہیں بناتا ہوں تو کیا یہ عذر صحیح ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

الجواب

اگر تعزیہ میں جاندار کی تصویر نہ ہو۔ بلکہ صرف روضہ مطہرہ امام شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نقشہ ہو تو اس کا بنانا درست ہے۔ کیونکہ جاندار کی تصویر بنانا شرعاً حرام ہے۔ اور غیر جاندار کی مباح۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمائی۔ کہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل مصور فی النار یجعل له بکل صورة صورها نفساً فیعذبه فی جهنم قال ابن عباس فان کنت لابد فاعلاً فاصنع الشجرة وما لا روح فیه۔ رد المحتار میں ہے۔ الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان فصنعته حرام بکل حال۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر جاندار کا نقشہ بنانا درست ہے۔ لہٰذا شخص مذکور اگر ایسا تعزیہ بناتا ہو۔ جس میں کوئی تصویر نہ ہو تو جائز ہے اور اس کے پیچھے نماز بھی درست۔ ورنہ نہیں۔ تعزیہ بنانا اور چیز ہے اور تعزیہ داری کچھ اور۔ تعزیہ داری میں چونکہ باجہ، کھیل کود اور فضول خرچی ہوتی ہے اس لئے حرام ہے۔ اور چونکہ تعزیہ بنانا ان باتوں سے خالی ہے۔ اس لئے جائز ہے۔ مروجہ تعزیہ داری حرام ہے۔ اور صرف نقشہ بنانا جائز

واللہ اعلم

احمد یار خاں

فتویٰ نمبر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سرائے بیگم کی مسجد میں اب تک نمازی بہت ہی کم آتے تھے۔ اب دو ہفتہ سے نوجوانان محلہ نے اس کی کوشش کی کہ جو بالغ ہو اس کو نماز میں شرکت ضرور کرنا چاہیے۔ اس قسم کی پنچایت کی ہے۔ لہٰذا ہر نماز پنجگانہ کے بعد باہر دروازہ مسجد پر نعرۂ تکبیر بلند آواز سے لگاتے ہیں۔ تاکہ نمازیوں میں نماز کا ذوق پیدا ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ صبح و عشاء کی نماز کے لئے صلوٰۃ وسلام سے لوگوں کو بیدار کرتے ہیں۔ درمیان میں تکبیر کہتے جاتے ہیں۔ نیز بعض حضرات پیش امام بعد فرائض پنجگانہ کے قدرے بلند آواز سے کلمہ طیبہ تین بار مع مقتدیوں کے پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ پڑھنا منع ہے تین وجہوں سے۔ اول یہ کہ بدعت ہے۔ دوسرے یہ کہ ذکر بالجہر ہے جو ممنوع ہے۔ تیسرے اس سے دعا طویل ہو جاتی ہے جو منع ہے یہ دلائل درست ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ تمام کام جائز ہیں۔ نعرۂ تکبیر بلند آواز سے کہنا تو جائز ہے کہ یہ ذکر الٰہی ہے اور جب نماز کا فرق پیدا کرنے کے لئے ہو تو اور بھی بہتر ہے قرآن کریم میں ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔ اس آیت کریمہ میں ہر حال میں ذکر الٰہی کا حکم دیا گیا۔ نماز سے پہلے یا نماز کے بعد کی قید نہیں اس تکبیر کو روکنا ایک خیر کو روکنا ہے جو بالکل غیر مناسب ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ قِيْلَ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ يَنْبَغِيْ لِاَهْلِ الْكُوْفَةِ وَغَيْرِهَا اَنْ يُكَبِّرُوْا اَيَّامَ الْعَشْرِ فِي الْاَسْوَاقِ وَالْمَسَاجِدِ قَالَ نَعَمْ قَالَ الْفَقِيْهُ اَبُوْ جَعْفَرٍ وَالَّذِيْ عِنْدِيْ اَنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ تَمْنَعَ الْعَامَّةَ عَنْهُ لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرِ وَبِهٖ نَاْخُذُ۔ (باب صلوٰۃ العیدین) نیز نماز کے لئے صلوٰۃ و سلام سے بیدار کرنا بہت بہتر کام ہے کہ درود و سلام خود بہت عمدہ کام ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ پھر جس میں نماز کی اطلاع جسے تثویب کہتے ہیں نہایت بہتر کام ردالمحتار میں ہے۔ احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ما تعارفوا فی جمیع الصلوات سوی المغرب وما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللّٰہ حسن اطلاع نماز کے لئے کوئی خاص الفاظ شرعاً مقرر نہیں جن کے سوا سے تثویب نہ ہو۔ بلکہ جو اہل عرف مقرر کرلیں۔ ان ہی سے تثویب ہے لہٰذا ان لوگوں نے جب صلوٰۃ و سلام کو اطلاع کے لئے مقرر کرلیا۔ تو یہی تثویب ہو گئی۔ ردالمحتار میں ہے۔ کتنحنح اوقامت قامت او الصلوٰۃ الصلوٰۃ ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذالک جاز اسی طرح بعد فرائض پنجگانہ کلمہ طیبہ بطریقہ مذکورہ پڑھنا جائز ہے اس کی اصل سنت سے ثابت ہے اس سے منع کرنا جہالت ہے۔ ان تینوں اعتراضات کی بنا وہم باطل پر ہے۔ یہ کس طرح بدعت ہو سکتا ہے۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ کنت اعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالتکبیر۔ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بعد فرائض با جماعت اس قدر آواز سے تکبیر فرماتے تھے جس سے اطراف کے گھر والوں کو ختم نماز کی خبر ہو جاتی تھی۔ نیز ذکر بالجہر مطلقاً ممنوع نہیں قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا یعنی جیسے تم موقع حج پر مجمعوں میں اپنے خاندان کے مناقب گایا کرتے ہو اس طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ خدا کا ذکر کیا کرو۔ حدیث پاک میں وارد ہوا وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہ متفق علیہ جس سے صاف

معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بہتر ہے۔ البتہ اگر ذکر بالجہر میں ریا کا خوف یا نمازی یا سونے والے کو تکلیف ہو تو آہستہ
بہتر ہے۔ اسی توجیہ پر آیت اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ اور حدیث خیر الذکر الخفی وغیرہ
محمول ہوں گی۔ ورنہ بالجہر ہی افضل ہے۔ کہ اس سے بہت سے فائدے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس سے
قلب زندہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو ذکر کی رغبت ہوتی ہے اور شیطان دفع ہوتے ہیں۔ ردالمحتار میں ذکر
بالجہر والخفی کے بارے میں فرماتے ہیں۔ لانه حیث خیف الریاء او تأذی المصلین او النیام
فان خلا مما ذکر فقال بعض اهل العلم ان الجهر افضل لانه اکثر عملا ولتعدی الفائدة
الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر ویطرد النوم ویزید النشاط۔ اجمع العلماء سلفا
وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش جهرهم علی نائم
او مصل او قاری۔ اگر ذکر بالجہر مطلقاً منع ہو تو نماز میں قراءۃ بالجہر اذان و تکبیر تلبیہ حج تمام اس قسم کے اذکار
منع ہو جائیں گے کہ یہ سب ذکر بالجہر ہیں نیز پکار کر دعا دراز ہو جاتی ہے۔ عقلی وجہ ہے۔ ذکر کی نقلی حدیث
سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد تکبیر فرماتے تھے۔ نیز مسلم و بخاری کی روایت ہے۔ کان
یقول صلی الله علیه وسلم فی دبر کل صلوة مکتوبة لا اله الا الله وحده لا شریک له الخ
ہاں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کہ اذا سلم لم یقعد مقدار ما یقول اللهم
انت السلام ومنک السلام الخ نیز درمختار کا یہ مسئلہ کہ یکرہ تاخیر السنة الا بقدر اللهم
انت السلام الخ سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان میں بجز ان کلمات
کے زیادہ توقف نہ کرے۔ ورنہ مکروہ ہوگا۔ لیکن اس سے یہ مقصد نہیں کہ مطلقاً زیادتی کرنا مکروہ
ہے۔ اگرچہ دوچار الفاظ ہی کی ہو بلکہ زیادہ دیر لگانا منع ہے۔ اور لمبی چوڑی دعائیں اور اذکار۔ ورنہ
احادیث میں تعارض واقع ہوگا۔ شامی میں ہے۔ وقول عائشة بمقدار لا یفید انه کان یقول
ذلک بعینه بل کان یقعد بقدر ما یسعه ونحوه من القول تقریبا فلا ینافی
ما فی الصحیحین من انه صلی الله علیه وسلم کان یقول فی دبر کل صلوة مکتوبة
لا اله الا الله الخ لہذا یہ تمام امور جائز بلکہ بہتر ہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی لڑکی اور عمرو کا لڑکا ان دونوں میں ناجائز تعلق پیدا ہوا۔ جس سے لڑکی حاملہ ہوگئی۔ چھ ماہ کے بعد فریقین کے والدین کو خبر ہوئی۔ نیز لڑکی حاملہ ہونے کی خبر ہوئی۔ والدین موجودہ حالت میں اس لڑکے کی شادی اسی مذکورہ لڑکی سے کر سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا و توجروا

الجواب

یہ نکاح بھی جائز ہے اور بعد نکاح وطی بھی درست۔ اس لئے کہ یہ حمل زنا ہے۔ اس کی موجودگی میں نکاح جائز ہوتا ہے۔ ہاں اگر زانی کے سوا کسی اور سے نکاح ہوتا تو نکاح تو درست ہوتا

مگر وطی جائز نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ نکاح خود زانی سے ہوگیا ہے لہٰذا بعد نکاح وطی بھی درست ہے۔ درمختار میں ہے۔ وصح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیرہ وان حرم وطؤہا ودواعیہ حتی تضع۔ اسی ردالمحتار میں ہے۔ لو نکحہا الزانی حل لہ وطؤہا عالمگیری میں ہے وقال ابوحنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی یجوز ان یتزوج امرأۃ حاملۃ من الزنا ولا یطؤہا حتی یضع وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ہو بہا وظہر بہا حبل فالنکاح جائز عند الکل ولہ ان یطأہا عند الکل۔

واللہ تعالٰی اعلم

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جو اپاہج اور نابینا ہے۔ ہر طرح کی تکلیف میں مبتلا ہے۔ تو اس نے کونسی نافرمانی کی ہے جس کی یہ سزا ہے۔ آریہ کہتا ہے کہ اس لڑکے نے پہلی جون میں قصور کئے تھے جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ اس پر مسئلہ تقدیر پیش کیا گیا۔ مگر وہ نہیں مانتا۔ اس کا جواب کیا ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

آریہ جی کا دعوے ہے کہ ہر جاندار موجودہ زندگی سے پیشتر دوسری زندگی میں تھا اس پر اس دعویٰ کی دلیل لانا ضروری ہے۔ جب تک کہ پچھلی جون دلیل سے ثابت نہ ہوگے۔ تو موجودہ تکالیف کو اس کی سزا کس طرح کہہ سکتا ہے۔ آریہ کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا اس کا دعوے محض باطل ہے۔ آریہ کا دعوے تناسخ قدم عالم پر موقوف ہے اور قدم عالم کا خود ہی ثبوت نہیں۔ تو تناسخ کا قدم کس سطح پر ہے گا اور اگر حسب عقیدہ آریہ کے عالم کو قدیم فرض کیا جائے اور ارواح و مادہ کو انادی یا قدیم مان لیا جائے تو صانع کا وجود (ایشور کی ہستی) کے ثبوت پر کیا دلیل ہوگی۔ بلکہ ایشور کا وجود محض وہمی ہو جائے گا۔ نیز جب روح و مادہ قدیم تو یہ تینوں یعنی ایشور و روح و مادہ باہم مساوات رکھتے ہیں۔ تو ایشور کی ان پر حکومت کیسی؟ اور ایشور کیوں ان کا حاکم بن بیٹھا اور اپنی مرضی کے خلاف کرنے پر روح و مادہ کو اس سے مستغنی ہے۔ مجرم کیوں قرار دیتا ہے۔ اور اگر بے وجہ حکومت کرتا ہے تو ظالم ہے۔ نیز آواگون ماننے کی تقدیر پر انقلاب حقیقت جو کہ محال ہے لازم آئے گا۔ یعنی ایک روح جب جسم انسانی میں تھی تو وہ ناطقہ تھی۔ بعد میں وہی روح جو جسم چارپائی میں آگئی۔ تا پتھر بن گئی۔ وھو محال۔ نیز روح کو اجسام ملنا اعمال پر موقوف ہے۔ اور اعمال بغیر جسم نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا دور لازم آئے گا۔ نیز اس تقدیر پر خدائے پاک معطل مجبور رہے گا نہ کہ فاعل مختار کہ روح اور مادہ جب خالی ہوں اور مادہ روح کے اعمال کے مطابق ہو تو اس میں خلط کر دے۔ ورنہ نہیں۔ حالانکہ ہم کو اپنی مخلوقات میں ہر طرح کا اختیار ہوتا ہے۔

دوم تکلیف و مشقت کے سزا میں منحصر ہونے پر کون سی دلیل ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ہر تکلیف سزا ہی ہو۔ مشقتوں کے اسباب کبھی وجوہ سابقہ ہوتے ہیں اور کبھی مصالح لاحقہ ایک بچے کو مکتب بھیجتے ہیں۔ اور دن بھر پابند کر کے پڑھنے کی محنت ڈالتے ہیں۔ اس کو آزادی اور لذات دنیا سے محروم کر دیتے ہیں۔ یہ تمام باتیں مشفق ماں باپ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ تو کون عاقل کہے گا کہ یہ اس کے گذشتہ جنم کی ہوں کا بدلہ ہیں۔ بلکہ حقیقت میں وہ آنے والی زندگی کی راحت کا پیش خیمہ ہیں۔ اسی طرح کسان دن بھر دھوپ میں جلتا ہے قیمتی مال لیا کہ ان سے بھی زیادہ مشقتیں کرتا ہے یہ کس جرم کی سزا ہے۔ علاوہ ازیں وید میں دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے اگر وید خدا کی کتاب ہے۔ تو تناسخ باطل ہو گیا۔ کیونکہ جب راحت و تکلیف کا مدار نیک و بد اعمال پر ہوا تو پھر اقضاء (دعا) ایک لاحاصل چیز رہ گئی اور اگر پار اقضا کام کی چیز ہے تو تناسخ باطل۔ نیز سب سے اچھے لوگ جیسے وہ لوگ جن پر وید آتا۔ ان کو دنیا میں ایسی جزا ملنی چاہیے تھی کہ اس میں کوئی تکلیف نہ ہوتی حالانکہ دنیا

یہ ایسی زندگی کسی کی نہیں۔ جو خالص عیش کی ہو۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر عورتیں شلوار پہنتی ہیں۔ جس کی موری چوڑی ہوتی ہے کہ پاؤں اٹھاتے وقت پنڈلی کھل جاتی ہے۔ آیا اس طرح کی شلوار جائز ہے یا کہ نہیں اور عورت کی پنڈلی کا کیا حکم ہے؟

الجواب

عورت کی پنڈلی ستر عورت ہے۔ جس کا چھپانا نماز و خارج نماز واجب ہے۔ حتیٰ کہ تنہائی میں بھی بلا ضرورت کھولنا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے۔ وجوبہ عام ولو فی الخلوۃ علی الصحیح الا الغرض صحیح۔ ردالمحتار میں ہے۔ ای اذا کان خارج الصلوۃ یجب الستر بحضرۃ الناس اجماعاً و فی الخلوۃ علی الصحیح۔ لہٰذا شلوار پہنے میں عورت کو چاہئے کہ یا تو پانچہ کی موری تنگ رکھے یا بہت زیادہ خیال رکھے کہ پنڈلی کھلنے نہ پائے ورنہ گنہگار ہوگی۔ شلوار سے اگر یہ نقص دور کر دیا جائے تو پھر ان تنگ چپٹے ہوئے زنانہ پانجاموں سے بہتر ہے۔ جن میں بدن کا حجم معلوم ہوتا ہے کہ وہ پانجامہ پوری طرح ستر کا فائدہ نہیں دیتے اور ان پانجاموں پر سے بھی اجنبی شخص کو عورت کا حجم دیکھنا حرام ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ رویۃ الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعۃ ولو کثیفا لا تری البشرۃ منہ۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کا غیر مرد کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز جنگلی کبوتر کھانا حلال ہے یا حرام؟ اور ان کا شکار جائز ہے یا نہیں۔ نیز یہ کہ نمازی کو گھر میں رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جس طرح مرد کو اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔ اسی طرح عورت کو جائز نہیں کہ وہ اجنبی مرد کو دیکھے۔ فانہ لا امن فی الزمان من الفتن امام احمد و ترمذی و ابوداؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پردہ کا حکم فرمایا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی

کر دو نابینا ہیں۔ ہمیں دیکھتے نہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم بھی انہیں نہیں دیکھتیں؟ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یا رسول اللہ الیس ھو اعمیٰ لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ (مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ) اس حدیث کی شرح میں علامہ علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔ قیل فیہ تحریم نظر المرأۃ الی الاجنبی مطلقاً و بعض خص خوف الفتنۃ علیھا۔ لہٰذا عورت کو جائز نہیں کہ اجنبی مرد کو دیکھے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ: کبوتر خواہ جنگلی ہو یا پالتو حلال ہے اور اس کا شکار جائز۔ پرندے وہ حرام ہیں جو پنجے سے شکار کرتے ہوں اور کبوتر ایسا نہیں ہے۔ در مختار میں ہے۔ لا یحل ذو ناب یصید بنابہ او مخلب یصید بمخلبہ ای ظفرہ و خرج نحو الحمامۃ۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ: اگر غالب گمان یہ ہو کہ بے نمازی کو گھر سے علیحدہ کرنے سے اس کو نصیحت ہوگی۔ اور وہ نماز کا پابند ہو جائے گا۔ تب تو ضرور بالضرور اس کو علیحدہ کر دیا جائے اور اگر خیال ہو کہ گھر میں رکھنے سے ممکن ہے کہ ہم وطنوں کی صحبت سے نماز کا پابند ہو جائے گا اور گھر سے نکال دینے میں آزاد ہو کر اور زیادہ حالت تباہ ہو جائے گی تو نہ نکالا جائے اور برابر نرمی و مہربانی سے نماز کی ہدایت اسی طرح جاری رہے کہ اس کی طبیعت میں ضد پیدا نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۱۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر عورت پوڈر، کلپ، سرخی وغیرہ لگا کر نماز پڑھے تو جائز ہے یا نہیں اور شریعت نے اس کو حلال کیا ہے یا حرام؟

الجواب

اگر یہ چیزیں ناپاک ہیں۔ تو ان کا جسم پر لگانا ہی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ نماز میں جس میں جسم تو کیا کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ اور اگر پاک ہیں تو اگر یہ چیزیں چہرے کی رنگت و ہیئت کو بدلتی ہیں تو اس کا استعمال مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ مُثلہ ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔ حتیٰ کہ تیمم کرنے والے کو حکم دیا گیا کہ وہ مٹی کو چہرے پر اس طرح نہ لگائے کہ جس سے ہیئت چہرہ متغیر ہو جائے درمختار میں ہے۔ لکن لا ینبغی التیمم بہ قبل خوف وقت لئلا یصیر مثلۃ بلا ضرورۃ

ردالمحتار میں ہے کہ لایتلطخ بوجھہ فیصیر مثلۃ اور اگر اس سے چہرے کی رنگت وہیئت میں کوئی فرق نہیں آتا تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان کی خوشبو وغیرہ اجنبی مرد کو محسوس نہ ہو۔ واللہ اعلم

فتویٰ نمبر ۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و فقہائے شرع متین و مفتیانِ کبار اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے یا نہیں۔ اذان ثانی جمعہ بھی اس میں داخل ہے یا نہیں۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں یہ اذان کہاں ہوتی تھی۔ اگر قیام موذن کے لئے مشرقی دیوار میں دروازہ کے جانب شمالی طاق بنا دیا جائے جس میں اذان ہو۔ جیسا کہ مسجد حضرت مولانا مولوی حافظ محمد نعیم الدین صاحب ناظم انجمن اہل سنت مدظلہ العالی نے مسجد و مدرسہ انجمن بنایا۔ یہ مطابق سنت ہے یا نہیں۔ اور دیوار مسجد سے خارج ہے یا نہیں۔ اگر یہ مطابق سنت ہے تو رسم و رواج پر چلنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ہر اذان خواہ جمعہ کی ثانی ہو یا اوّل یا اذان پنج وقتہ ہو۔ خارج مسجد ہونی چاہئے۔ مسجد میں مکروہ ہے عالمگیری میں ہے۔ وینبغی ان یؤذن علی المأذنۃ او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ یہ حکم تمام اذانوں کے لئے ہے۔ ہاں اس اذان اور دیگر اذانوں میں اتنا فرق ہے کہ یہ اذان بالکل خطیب کے سامنے ہو کما ھو مصرح فی عامۃ کتب الفقہ۔ ابو داؤد جلد اوّل میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الباب الخ حضور کے زمانۂ اقدس و زمانۂ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں یہ اذان دروازہ مسجد پر جو منبر کے مقابل ہے ہوتی تھی۔ جب اس اذان کا خارج مسجد ہونا احادیث سے ثابت اور مسجد میں اذان مکروہ تو اس کے مقابل عوام کے رسم و رواج پر چلنا جہل و غلط ہے اور یہ مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ واللہ اعلم۔

عمارت مسجد میں تبدیل یا تغیر صرف بنائے مسجد یا ضرورت شدیدہ کے لئے چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ کسی اور مقصد کے لئے نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اذان کے لئے دیوار مسجد میں طاق بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ تبدیل دیوار مسجد کی مصلحت کے لئے نہیں۔ بحر کتاب الوقف میں ہے کرہ احداث الطاقات فی المسجد۔ اسی بحر کتاب الوقف میں ہے۔ لیس للمدرس فی المسجد ان یجعل

من بیته بابا الی المسجد وان جعل ادی ضمان نقصان الجدار۔ مسجد میں بغیر نفع درخت لگانا بھی منع ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ ویکره غرس الشجر فی المسجد الا ان یکون فیه للمسجد۔ درمختار میں ہے۔ ویکره غرس الاشجار الا لنفع لتقلیل نز تکون للمسجد حضرت قبلہ عالم سیدی حضور صدر الافاضل دامت برکاتہم العالیہ نے تعمیر مسجد ہی کے وقت اس شرقی دیوار میں طاق اذان کی نیت سے رکھا تھا۔ یہ کسی عمارت کی تغیر نہیں۔ اسی طرح جتنی مسجدیں بنائی جاویں۔ اور ان میں بوقت بنا اذان کی جگہ بشکل طاق بنادی جاوے تو جائز ہے اور اس میں اذان درست ہے کہ یہ اذان مسجد میں نہیں ہے اور نہ طاق میں تغیر ہوتا ہے۔ بعد تکمیل طاق بنانا بغیر ضرورت مجوزہ ناجائز ہے۔ اگر کسی مسجد کے بناتے وقت دیوار مسجد یا سقف پر امام کے لئے مکان بنادیا۔ یا زیریں حصہ میں مصالح مسجد کے لئے تہ خانہ بنایا تو جائز ہے۔ اور بن چکنے کے بعد بنانا ناجائز۔ بحر الرائق میں ہے۔ ضمن بنی بیتا علی جدار المسجد وجب هدمه۔ اسی بحر میں ہے۔ لو بنی بیتا علی سطح المسجد یکن للامام فانه لا یضر فی کونه مسجدا لانه من المصالح فان قلت لو جعل مسجدا ثم اراد ان یبنی فوقه بیتا للامام وغیره هل ذلک ان کان بناه علی بینه وبین الناس ثم جاء بعد ذلک لا یترکه واذا قال عنیت ذلک فانه لا یصدق فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیره۔ واللہ اعلم۔

فتوی نمبر ۱۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے چوری کی جس کا وہ خود اقبالی ہے اب اگر زید امام ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور زید امامت کے لائق ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ چوری ایسی ہے جس پر شرعاً چوری کی تعریف صادق آتی ہے اور اس سے اب تک وہ شخص تائب نہیں ہوا۔ تو فاسق ہے۔ اس کو امام بنانا مکروہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربوا ونحو ذلک۔ بحر میں ہے۔ وکره امامة العبد والاعرابی والفاسق۔ درمختار میں ہے۔ ویکره امامة عبد واعرابی وفاسق۔

فتویٰ نمبر ۱۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شیعہ نے اپنے کو سُنی المذہب ظاہر کر کے ایک سُنی لڑکی سے دھوکہ دے کر نکاح کر لیا۔ اور اپنے گھر لے جا کر بطریق شیعہ نکاح کیا مگر جب ماہ محرم آیا۔ تو لڑکی کو تبرہ پر مجبور کیا۔ انکار پر لڑکی کو سخت مارا پیٹا لڑکی نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مجبوراً میکے پہنچا دیا اور یہاں آ کر لڑکا پیدا ہو گیا۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ آیا نکاح درست ہوا یا نہیں اگر نہیں تو بغیر طلاق دوسرے شخص سے نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب

تبرائی رافضی مرتد ہیں۔ ہندیہ میں ہے۔ ویجب اکفار الروافض الی ان قال وھٰؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین۔ اور مرتد کے ساتھ نکاح باطل محض ہے۔ عالمگیری احکام المرتدین میں ہے۔ ومنھا ماھو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ۔ درمختار میں ہے۔ ویبطل منہ اتفاقاً النکاح والذبیحۃ والصید والشھادۃ والارث لہٰذا یہ نکاح درست نہیں ہوا۔ اور جب نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کی کیا حاجت۔ مگر مناسب یہ ہے کہ عورت اس رافضی کو نوٹس دے کر میں سُنی المذہب ہوں۔ تو نے سُنی بن کر مجھے دھوکہ دے کر نکاح کیا۔ بعد میں مجھے رفض پر مجبور کیا اور ایذائیں دیں۔ چونکہ تو تبرائی رافضی ہے۔ اس لئے میرا نکاح تیرے ساتھ مذہب اہل سنت کی رُو سے صحیح نہیں ہوا۔ لہٰذا میرا تیرا کوئی تعلق نہیں۔ میں اپنی مرضی سے جہاں چاہوں گی نکاح کروں گی۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۱۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں

۱۔ صحت نماز جنازہ کی کیا شرائط ہیں؟

۲۔ شورش کا احتمال نہ ہو تو مسجد کے برآمدے میں جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۳۔ عام راستہ پر جہاں لوگوں کی ہر وقت آمد و رفت رہتی ہو۔ اور نجس ہونے کی صورت میں جوتے پہن کر نماز جنازہ پڑھنا از روئے شریعت کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

از رنگون برما

الجواب

صحت نماز جنازہ کی کل چھ شرطیں ہیں۔ میت کا اسلام۔ میت کی طہارت۔ میت کا نمازی کے سامنے رکھا ہوا ہونا۔ یعنی کندھوں یا سواری پر نہ ہونا۔ جنازہ کا موجود ہونا۔ امام کا بالغ ہونا۔ درمختار میں ہے۔ وشرطها ستة، اسلام الميت وطهارته وبلوغ الامام وشرطها ايضا حضوره ووضعه وكونه امام المصلي۔

۲۔ نماز جنازہ مسجد جماعت میں مطلقاً مکروہ ہے خواہ تلویث کا احتمال ہو یا نہ۔ حتیٰ کہ اگر میت خارج مسجد اور نمازی مسجد میں ہوں جب بھی مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے۔ وكرهت تحريما في مسجد جماعة هو اي الميت فيه واختلف في الخارجية والمختار الكراهة مطلقا بناءً على ان المسجد بنيت للمكتوبة وتوابعها۔

۳۔ عام راستہ پر نماز جنازہ مکروہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وتكره في الشارع وارض الناس۔ اور اگر نجس زمین پر جوتا پہن کر نماز جنازہ پڑھی تو نہ ہوئی اور اگر جوتا اتار کر اس پر کھڑا ہو گیا تو ہو گئی۔ اس لئے پہلی صورت میں جوتا لباس مصلی ہے۔ ردالمحتار میں تعریف لباس اس طرح فرمائی ہے۔ مالا لبس البدن فدخل القلنسوة والخف والنعل اور لباس نجاست اور مصلی کے درمیان آڑ نہیں بن سکتا کہ بدن کے تابع ہے اور جب اتار دیا تو علیحدہ چیز ہو گئی۔ اور علیحدہ چیز نجاست سے آڑ ہو سکتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ علمت مما قدمناه عن الفتح عدم اعتبار هذا الحائل المتصل حائلا لتبعية المصلي ولذا لو قام على النجاسة وهو لابس خفا لم تصح صلوته۔ ہندیہ میں ہے۔ ولو خلع نعليه وقام عليهما جاز سواء كان ما يلي الارض منه نجسا او طاهرا اذا كان ما يلي القدم طاهرا۔

والله اعلم وعلمه عز اسمه اتم واحكم

احمد یار خان نعیمی

فتویٰ نمبر ۱۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عمارت مدرسہ اسلامیہ کی جو تحت اراضی موقوفہ پر (بذریعہ دستاویز رجسٹری شدہ مدرسہ وتعلیم اسلامی کے لئے وقف کی گئی ہے) مقامی وغیر مقامی عامۃ المسلمین کے چندہ سے تعمیر یا توسیع کرائی گئی ہو۔ اور خالص مقصد تعمیر اس کا عربی واسلامی تعلیم کے لئے ہو۔

۱۔ ایسی عمارت جو اراضی موقوفہ پر تعمیر یا توسیع یا ترمیم چندہ عام سے کرائی گئی ہو۔ از روئے قانون شریعت مقدسہ تعریف وحدود وقف میں شمار کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

۲۔ اگر کوئی مسلمان جس نے مہتمم اور تنخواہ دار ملازم ہونے کی حیثیت سے چندہ فراہم کرکے عمارت تعمیر کرائی ہو۔ اس کو اپنی ذاتی جدوجہد کی طرف مخصوص ومحدود کرکے اپنے کو اس کا بانی اور اس کے نظم ونسق کا مالک ومختار قرار دے اور بصورت مقصد تعلیم فوت ہونے کے عامۃ المسلمین کی مداخلت اور وقف کی مخالفت میں حاکم وقت کے سامنے بصورت انکار وقف اپنا بیان داخل کرے۔ تو وہ از راہ شرع شریف غاصب کے حکم میں آسکتا ہے یا نہیں؟

۳۔ اصطلاح شریعت میں قطع نظر وقف وغصب کے کوئی تیسری صورت بھی حقوق اراضی و عمارت کی مسلمانوں کے لئے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا جزاکم اللہ خیراً (الہ آباد)

الجواب

عمارت مذکورہ وقف ہوگئی۔ کیونکہ کسی وقف میں اضافہ یا توسیع کے لئے چندہ طلب کیا جاتا ہے۔ تو ہر شخص اس کے معنی یہی سمجھتا ہے کہ یہ اضافہ وقف میں شامل ہوگا اور دینے والا اسی نیت سے دیتا ہے۔ یہی معروف ہے۔ والثابت بالعرف کالثابت بالنص کما فی الرد المحتار اسی رد المحتار میں ہے۔ العادۃ محکمۃ ان الفاظ الواقفین تبنی علی عرفہم۔

۲۔ سوال اول کے جواب میں معلوم ہو چکا۔ کہ وقف میں جو اضافات کئے جاتے ہیں وہ اصل

وقف کے حکم میں ہوتے ہیں۔ چندہ جمع کرنے والے اس کے مالک نہیں ہوجاتے۔ کہ مالکانہ تصرف ان کے لئے روا ہو سکیں۔ حتیٰ کہ اگر متولی اپنے مال خاص سے بھی وقف میں کوئی اضافہ کرے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ خواہ اس نے یہ اضافہ بہ نیت وقف کیا ہو۔ یا بغیر نیت وقف۔ بجز اس کے کہ اضافہ کے وقت اپنے لئے نیت کی ہو۔ اور اسی وقت اس پر گواہ بھی کر لئے ہوں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ تو وہ مال وقف ہے۔ جنہیہ میں ہے۔ متولی وقف بنا فی عرصۃ الوقف فھو للوقف ان بناہ من مال الوقف او من مال نفسہ ونواہ للوقف او لم ینو شیئاً وان بناہ لنفسہ واشھد علیہ کان لہ واللہ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم واحکم۔

فتویٰ نمبر ۱۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن کریم میں قسم جگہ جگہ کیوں ارشاد ہوئی ہے۔ کیا خدائے قدوس کے فرمان کا بغیر قسم کے اعتبار نہ تھا۔

۲۔ شیعہ لوگ خرگوش کو حرام کہتے ہیں۔ کیوں کہ اس کی مادہ کو حیض آتا ہے۔ کیا اہل سنت کے پاس کوئی دلیل ہے۔ جس سے اس کو کھاتے ہیں! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا ہے؟ بینوا توجروا۔

از ضلع حصار

الجواب

قرآن کریم میں جو قسمیں یاد فرمائی گئی ہیں۔ ان میں بہت سی حکمتیں ہیں اولاً یہ کہ قرآن کریم زبان عرب میں نازل ہوا۔ اور اثبات مطالب میں حلف کا طریقہ عرب میں مروج ہے۔ امام فخر الدین رازی نے فرمایا۔ والقرآن انزل بلغۃ العرب واثبات المطالب بالحلف والیمین طریقۃ مألوفۃ عند العرب نیز جھوٹی قسموں سے عرب بہت ڈرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ جھوٹی قسمیں کھانے والا ضرور برباد ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں قسمیں ذکر فرمائیں۔ اور دین اسلام برابر ترقی ہی رہا۔ یہ عرب کے لئے دلیل ہے کہ یہ مضمون صحیح ہے۔ ورنہ خود تمہارے اعتقاد کے بموجب قسموں کے مؤکد کرنے

کے بعد اس کا رواج روز بروز کیسے بڑھتا رہا۔ نیز قرآن میں قسم فرمانے میں مقسم بہ کی ایک گونہ عزت افزائی بھی ہے۔ کہ یہ اشیاء عنداللہ ایسی معظم ہیں کہ ان کی قسم فرمائی گئی۔ ان کے علاوہ اور بہت سی حکمتیں ہیں جن کو اسلاف کرام نے اپنی تصانیف میں بیان فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قسموں کا قرآن کریم میں ذکر فرمانا مومنین کے رفع شکوک کے لئے نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور حکمتیں ہیں۔

۱۸ خرگوش حلال ہے۔ صحابہ کرام نے اس کا شکار کیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے گوشت کا ہدیہ قبول فرمایا اور صحابہ کرام کو اس کے کھانے کا حکم دیا۔ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ قال انفجنا ارنبا بمر الظهران فاخذتها فاتيت بها ابا طلحة فذبحها فبعث الى رسول الله صلى الله عليه وسلم بوركها وفخذيها فقبله۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ پس معلوم شد کہ خرگوش کہ آں را ارنب گویند حلال است و در ہدایہ گفتہ است کہ لا باس باكل الارنب زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقتیکہ بہدیہ فرستادہ شد خوردہ و امر کرد اصحاب را بخوردن آں۔ درمختار میں ہے۔ وحل غراب الزرع والارنب والعقعق۔ بحر میں ہے۔ وحل الارنب لانه عليه الصلوٰة والسلام امر اصحابه ان ياكلوه حين اهدى اليه مشويا ولانه ليس من السباع ولا ياكل الجيف حاشیہ الشلبی۔ جب احادیث صریحہ سے اس کی حلت ثابت ہو گئی۔ تو حیض آنے یا نہ آنے کا ذکر ہی بیکار ہے۔ وساوس شیطانیہ کے رفع کرنے کے لئے یہ عمل بہت مجرب ہے۔

۱۹ درود شریف ۱۱بار۔ استغفار ۱۱بار۔ کلمہ شہادت ۱۱بار۔ آخر میں درود شریف ۱۱بار۔ یہ سب تصور حق کے ساتھ پڑھے جائیں۔ تو انشاءاللہ تعالیٰ اوہام شیطانیہ سے نجات ہوگی۔

فتویٰ نمبر ۱۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنا۔ کسی کے نام پر جانور پالنا۔ قبر چومنا۔ پھول چڑھانا۔ اذان میں انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب

یہ امور مستحب اور حدیث سے ثابت ہیں۔ فاتحہ میں تلاوت قرآن اور صدقہ یا ہدیہ کا ایصال ثواب ہے۔ یہ مسلمان کا مضبوط عقیدہ ہے۔ جس پر بکثرت نصوص شرعیہ ناطق ہیں۔ صدقات کو مزارت پر لے جانے سے وہاں پر خدام و فقراء کو دینا مقصود ہے جو صاحب قبر سے مناسبت رکھتے ہیں۔ خواہ ان صدقات کو فاتحہ پڑھنے کے بعد لے جائیں یا وہاں لے جا کر فاتحہ پڑھیں یا بربنا ئے حسن اعتقاد مجاورین مزار سے فاتحہ پڑھا دیں بہر حال وہاں کے مجاورین کے لئے صدقات لے جانے پر اعتراض نہیں۔ کیوں کہ اہل حاجت و استحقاق کی طرف صدقات و ہدایا کی نقل شریعت نے ممنوع نہیں فرمائی۔ بلکہ میت کے ساتھ مناسبت رکھنے والوں کے پاس صدقات کا بھیجنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک سے ثابت ہے۔ حضرت ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی وفات کے بعد آپ اکثر بکری ذبح فرماتے اور اس کا گوشت ان پاک بیبیوں کے پاس بھیج دیتے۔ جو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی خدمت میں حاضر رہا کرتی تھیں۔ مسلم و بخاری میں ہے۔ وربما ذبح الشاة ثم یقطعها اعضاء ثم یبعثها فی صدائق خدیجة۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اس قسم کا کھانا ان لوگوں کو بہتر ہے۔ جن سے میت کو محبت و انسیت ہو۔ یہی قبر پر لے جانے کا مقصد ہے۔

۲۔ سائل کے سوال میں کسی بزرگ کے نام کا جانور چھوڑا جاتا ہے۔ اولاً تو چھوڑا جانا ایسا لفظ ہے جو کوئی مسلمان کسی جانور کے لئے ایسا لفظ بولتے ہی نہیں۔ یہ وہابیہ کی خاص ایجاد ہے۔ ہندو ہیں جانور کو بتوں کی طرف نسبت کر کے آزاد کر دیتے ہیں کہ نہ اُسے کوئی ذبح کر سکتا ہے۔ نہ مار سکتا ہے نہ اپنے کھیت میں سے باہر نکال سکتا ہے۔ اور یہ ان کا طریقہ عبادت ہے۔ اس جانور کے متعلق کہتے کہ یہ جانور فلاں بت کے نام پر چھوڑا ہوا ہے۔ معاذ اللہ کوئی مسلمان یہ نیت کر کے نہیں چھوڑتا بلکہ وہ تو کوئی جانور اس لئے پالتا ہے۔ کہ تاریخ مقررہ پر اس کو ذبح کر کے کھانا پکا کر فلاں بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کرے گا۔ اور مسلمانوں میں اس کو تقسیم کرے گا۔ اس طرح اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا اس پر بزرگان دین کا فاتحہ کرنا جائز اور یہ ذبیحہ درست ہے۔ اس کا گوشت حلال و طیب ہے۔ کیوں کہ جب خدا کے نام پر ذبح کیا گیا۔ تو حلال ہوا۔ ذبح سے پہلے اس کو کسی کی طرف نسبت کرنا اس کو حرام نہیں کر سکتا۔ ورنہ دنیا میں کوئی جانور بھی حلال نہیں ہوگا۔ کیوں کہ عام طور پر جب جانور

کہ ملک کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ زید کی گائے۔ عمر کی بکری۔ خدا بخش کا اونٹ بولتے ہیں۔ اسی طرح عقیقہ کی بکری۔ قربانی کی گائے عام طور پر بولا جاتا ہے۔ کیا یہ تمام جانور حرام ہوں گے۔ ہرگز نہیں۔ درمختار میں ہے۔ وان ذکر مع اسمه تعالٰی غیره فان وصل کره وان فصل صورة ومعنًی کالدعاء قبل الاضجاع والدعاء قبل التسمية او بعد الذبح لا باس به۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ وما اهل به لغيره معناه ذبح به الاسم لغير الله وقت الذبح۔ اسی تفسیر میں ہے۔ وان ذکر مفصولا بان يقول قبل التسمية وقبل ان تضجع الذبيحة او بعد لا باس به من ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم في زماننا حلال طيب لانه لم يذكر اسم غير الله عليه وقت الذبح وان كانوا ينذرون به۔ اس میں صاف تصریح ہو گئی کہ اولیاء کی نیت کر کے ان کے نام پر جو جانور پالا گیا اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا وہ جائز ہے۔

عوام کے لئے یہی بہتر ہے کہ قبر کو نہ چومیں۔ عالمگیری میں ہے۔ ولا يمسح القبر ولا يقبله فان ذلك من عادة النصارٰى ولا باس بتقبيل قبر والديه۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ و مسح نکند قبر را و بوسہ ندہد آں را و منحنی نشود و روئے خاک نمالد ایں عادت نصاریٰ است۔

پھول اور چادر بزرگان دین کے مزار پر ڈالنا جائز ہے۔ پھول تو اس لئے کہ وہ ایک تر چیز ہے جس کی تسبیح و تہلیل سے صاحب قبر کو راحت حاصل ہو گی اور زائرین کو خوشبو۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر ایک شاخ کے ٹکڑے کر کے نصب فرما دیئے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں گے خداوند تعالیٰ مردوں پر تخفیف فرمائے گا۔ رواہ ابو داؤد عن ابن عباس۔ ردالمحتار میں ہے۔ وورد في الحديث وضع ذلك للاتباع ويقاس عليه ما اعتيد في زماننا من وضع اغصان الآس ونحوه۔ عالمگیری میں ہے۔ وضع الورود والرياحين على القبور حسن وان تصدق بقيمة الورود كان احسن۔ اور چادر اس لئے کہ اس سے صاحب قبر کی عظمت و وقار مخلوق کے قلب میں پیدا ہوتی ہے۔ نیز اس سے عوام پہچان لیتے ہیں اور ادب و احترام اولیاء کا ہے۔ اس کا لحاظ رکھتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ کره بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثياب على القبور الصالحين ولكن نقول الآن اذا قصد به التعظيم في عيون العامة حتى لا يحتقروا صاحب القبر ولجلب الخشوع والادب للغافلين الزائرين فهو جائز لان الاعمال بالنيات۔

اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں سے لگانا مستحب ہے۔

اس کے دینی و دنیاوی فائدے روایات میں مروی ہیں۔ جو شخص اس کا عامل ہو۔ انشاء اللہ امراض چشم سے محفوظ رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اس کے شفیع ہوں گے۔ ردالمحتار میں ہے۔ ثم یقول اللّٰھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائدا لہ الی الجنۃ۔ اس کی پوری تحقیق رسالہ مبارکہ منیر العینین میں اور دیگر کتب علمائے اہل سنت میں دیکھو۔ نیز اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

احمد یار خاں نعیمی

فتویٰ نمبر ۲۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مؤذن اذان میں اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اللہ اکبر کہتا ہے۔ یعنی اخیر جملہ میں اکبر کہتا ہے۔ اس صورت میں اذان صحیح و درست ہوگی یا نہیں؟ اگر نہ ہوگی تو اس میں گناہ بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کیا؟

۲۔ نیز اقامت میں اشھد ان لا الٰہ الا اشھد ان لا الٰہ الا کہتا ہے اور لفظ اللہ چھوڑ دیتا ہے یہ اقامت صحیح ہے یا نہیں۔ باوجود اس کے اسے تاکید بھی کی جاتی ہے کہ اذان کے الفاظ صحیح کرو اور پورے الفاظ ادا کرو۔ مگر وہ لاپرواہ ہے اور بے اعتنائی سے کام لیتا ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں۔ اور ایسے شخص کی شہادت معتبر ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

از مراد آباد

الجواب

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن اذان صحیح دینے پر قادر ہے۔ کہ پہلی بار تو اللہ اکبر کہتا ہے اور دوسری بار میں اکبر یعنی الحان کے لئے ی اکبر میں زیادہ کرتا ہے۔ اس میں کلمات اذان کو بگاڑنا ہے۔ جو سخت منع ہے۔ درمختار میں ہے۔ فلا یقول اللہ اکبیر لانہ استفھام وانہ لحن شرعی۔ اسی میں ہے۔ ولا لحن فیہ ای تغنی بغیر کلماتہ۔ ردالمحتار میں ہے۔ ای بزیادۃ حرکۃ

الحروف او مدا و غیرھا بحر میں ہے۔ التلحین ھو اخراج الحروف عما یجوز لہ فی الاداء من تنقیص فی الحروف او من کیفیاتھا او زیادۃ شیء منھا۔ عالمگیری میں ہے۔ و یکرہ التلحین وھو التغنی بحیث یؤدی الی تغییر کلماتہ۔ لہٰذا اس مؤذن کو ہدایت کرنا چاہیے کہ اذان درست دے۔ اگر وہ فہمائش پر بھی نہ مانے تو دوسرا درست خوان مؤذن رکھنا چاہیے۔ لیکن چونکہ پورے کلمات اذان ادا ہوگئے اور مقصد اذان یعنی دعوت نماز حاصل ہوگیا۔ اور کوئی اور موجب اعادہ پایا نہیں گیا۔ لہٰذا اذان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ المقصود الاصلی من الاذان شرع الاعلام بدخول اوقات الصلوٰۃ۔ کلمات تکبیر چونکہ پورے ادا نہیں ہوئے۔ بعض کلمات رہ گئے۔ لہٰذا اس تکبیر کا اعادہ ضروری ہے۔ درمختار میں ہے۔ یجب استقبالھا لموت مؤذن و غشیہ و خرسہ و حصرہ۔ ردالمحتار میں ہے۔ المراد انہ اذا عرض للمؤذن ما یمنعہ من الاتمام۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

۱۔ عورت کی صحت کی خرابی یا کثرت اولاد کے خوف سے مانع حمل ادویہ یا تراکیب کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟

۲۔ مرد یا عورت کی طرف سے ضبط تولید کی کوشش کرنا شرعاً کیسا ہے؟

۳۔ مسلمان دوا فروشوں کو اس قسم کی ادویہ وغیرہ فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ اس امر کا احتمال موجود ہے کہ کچھ فی صدی خریدار ناجائز طور پر ان ادویہ کو استعمال کرنے کے مرتکب ہوں گے۔

از مراد آباد

الجواب

۱۔ کثرت اولاد خدائے قدوس کی نعمت ہے۔ جب تک کہ اس سے کوئی ضرر ناقابل برداشت متصور

نہ ہو۔ اس وقت تک اس کو روکنا ناشکری ہے۔ البتہ اگر صحت حمل کے قابل نہ ہو۔ تو ایسی دواؤں سے استقرار روک سکتے ہیں۔ جن سے قابلیت حمل بالکل نہ جاتی رہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں یہ عزل کی طرح حمل کو روکنے کی ایک تدبیر ہے۔ اور عزل تو بہ اجازت زوجہ جائز ہے۔ لہٰذا یہ بھی جائز۔ ابن ماجہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن عزل للمرأة الا باذنها درمختار میں ہے۔ ولا يعزل عن المرأة لكن في الخانية انه يباح في زماننا الفساد الزمان عزل کے معنی ہیں انزال خارج کرنا۔

مسئلہ ضرورت شدیدہ کی صورت میں اسقاط حمل جائز ہے۔ جبکہ حمل چار ماہ سے کم ہو۔ بلا ضرورت سخت جرم ہے اور چار ماہ کے بعد چونکہ بچہ میں جان پڑ جاتی ہے۔ اس لئے اس کو ساقط کرنے میں اضافہ روح کا جرم ہوگا۔ بجز اس کے عورت کی جان خطرہ میں ہو۔ اور بجز اسقاط کوئی صورت اس کی جان بچنے کی نہ ہو۔ درمختار میں ہے۔ قالوا يباح اسقاط الولد قبل اربعة اشهر ولو بلا اذن الزوج۔ شامی میں ہے۔ قال ابن وهبان فاباحة الاسقاط محمولة على حالة العذر اسی ردالمحتار میں ہے ومن الاعذار ان ينقطع لبنها وليس لاب الصبي ما يستاجر به الظئر ويخاف هلاك الولد۔ درمختار کتاب الکراہیۃ میں ہے۔ وجاز لعذر حين لا يتصور

مسئلہ ضبط تولید اگر رحم کو خارج کرکے یا رحم کو بیکار کرکے ہو تو ناجائز ہے کہ اس میں عضو کو معطل کرنا ہے۔ اسی وجہ سے مرد کو خصی کرنا یا خصی ہونا حرام ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اجازت چاہی۔ فرمایا گیا۔ یا ابا هريرة جف القلم بما انت لاق فاختص على ذالك او ذر۔ اس کے ماتحت مرقات میں ہے۔ ليس هذا اذنا في الاختصاء بل توبيخ ولوم على الاستيذان في قطع عضو بلا فائدة۔ درمختار میں ہے۔ اما خصاء الآدمي فحرام۔ اور اگر ضبط تولید اس طرح نہیں بلکہ صرف رحم کا منہ بند کرکے عارضی طور حمل کو روک دیا جائے یا کسی خاص تدبیر سے نطفہ کو قائم نہ ہونے دیا جاتا ہو تو ضرورۃً جائز ہے۔ صرف اولاد سے بچنے کے لئے ایسا کرنا ناشکری ہے۔ اور بیکار بھی ہے کہ جو روح آنے والی ہے۔ وہ تو آکر رہے گی۔ کما ورد الحدیث۔ ردالمحتار میں ہے يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء۔

اس قسم کی دواؤں کا فروخت کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ان کے لئے مصرف حلال موجود ہے اب جو اسے مصرف حرام پر استعمال کرے گا۔ تو وہ خود گنہگار ہوگا۔ نیز خود ان دواؤں سے معصیت قائم نہیں جن سے خود معصیت ہو ان کی بیع ممنوع ہے۔ درمختار میں ہے۔ يجوز بيع عصير عنب ممن

بعصر أنّه يتخذه خمرًا لأن المعصية لا تقوم بعينه بحر میں ہے۔ وجاز بیع العصیر من خمار لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغييره بخلاف بیع السلاح من اهل الفتنة لأن المعصية تقوم بعينه۔ خلاصہ یہ کہ جس سے بلاواسطہ گناہ کیا جاوے اس کی بیع حرام ہے۔ جیسے شراب کی تجارت اور جس سے بالواسطہ گناہ کیا جاوے اس کی بیع جائز ہے۔ جیسے شیرہ انگور کی بیع کہ اگرچہ اس سے شراب بن سکتی ہے۔ مگر اس کی تجارت حلال ہے۔ اسی لئے رنڈی کو کرایہ پر مکان دینا حلال ہے۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے کل چھ بیٹے ہیں۔ لیکن اس نے صرف ایک بیٹے کو ساری جائداد اور جملہ کاروبار اور سب حقوق سپرد کر دیئے ہیں۔ باقی پانچ بیٹے حقوق سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ شرعاً شریف میں یہ بیٹے اس شخص کی جائداد وغیرہ کے حقدار ہیں یا نہیں اور وہ اپنا حق حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (کراچی)

الجواب

سوال سے معلوم نہ ہوا کہ شخص مذکور نے اپنے فرزند مذکور کو جائیداد و دیگر املاک باقاعدہ ہبہ کر دیئے یا صرف انتظام اس کے سپرد کیا اور اس کو منتظم کار بنا دیا۔ اگر ہبہ کر دیئے ہیں تو یہ ہبہ صحت کی حالت میں ہوا ہے یا مرض الموت کی حالت میں۔ ان تینوں صورتوں کے الگ الگ احکام ہیں۔ اگر صرف انتظامی معاملات کا ایک بیٹے کو مختار کیا گیا تو اس سے باقی بیٹے محروم نہ ہوں گے۔ اس کے انتقال کے بعد تمام بیٹے بطریق مساوی اپنا حصہ لیں گے۔ اگر ہبہ ہے لیکن مرض الموت کی حالت میں تو بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ مرض الموت کا ہبہ وصیت ہے۔ درمختار میں ہے۔ وهبة مقعد ومفلوج واشل ومسلول من کل ماله ان طالت مدته ولم یخف موته منه والا فمن ثلثه اور وارث کو وصیت جائز نہیں۔ حدیث میں ہے۔ لا وصیة لوارث الا ان یجیزها الورثة۔ درمختار میں ہے

ولا لوارثہ۔ اور اگر بحالتِ صحت باقاعدہ ہبہ کر دیا ہے۔ تو اس کا یہ ہبہ درست ہے۔ کیونکہ یہ اپنے مال کا مالک ہے جس کو چاہے دے۔ لہٰذا باقی کے کچھ نہیں پا سکتے۔ لیکن اگر باقی پانچ بچوں کی نافرمانی کی وجہ سے والد نے ایسا کیا۔ تو اگر والد زندہ ہے۔ تو ان کو چاہیے۔ کہ والد کو بہت جلد راضی کر لیں تاکہ وبال آخرت سے بچیں۔ اور اگر بلاقصور والد نے محروم کر دیا ہے۔ تو اگرچہ اس کا عمل شرعاً نافذ ہوا لیکن وہ عند اللہ سخت گنہگار ہوا۔ حدیث شریف میں اولاد کے درمیان مساوات کرنے کا سخت حکم ہے۔ مسلم و بخاری نے حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم۔ رد المحتار میں ہے۔ ولو وهب شيئاً لاولاده في الصحة واراد تفضيل البعض على البعض روى عن ابى حنيفة لاباس به اذا كانت التفضيل لزيادة فضل في الدين وان كانوا سواء يكره۔ در مختار کتاب الہبۃ میں ہے وهب في صحته كل المال للولد جاز واثم۔ البتہ اگر اولاد میں سے بعض کو ان کے دینی فضل کی وجہ سے کچھ زیادہ دے۔ تو حضرت امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے۔ کما هو ظاهر من العبارة المنقولة من رد المحتار۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل کے متعلق:۔

۱۔ جنابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ میں من کل الوجوہ کون افضل ہے؟

۲۔ اگر کوئی شخص فضائل اختصاص کے اعتبار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی پر ترجیح اور فضیلت دے۔ تو علمائے احناف کے نزدیک اس کا ایمان صحیح ہے اور اس کی امامت جائز ہے۔ یا نہیں؟

۳۔ روافض (تبرائی) کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا۔ مناکحت کرنا۔ اس کی مجالس میں شریک ہونا مجلس پڑھنا اور روافض کو سید سمجھ کر ان کو قابل احترام سمجھنا کیسا ہے؟

۶ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو زید بُرا کہتا ہے ۔ اور آپ کی شان میں رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہنے سے منع کرتا ہے ۔ اور بُرا جانتا ہے ۔ لہذا ایسے اعتقاد کے ہوتے ہوئے زید سُنی المذہب حنفی ہو سکتا ہے ۔ یا نہیں ؟

۷ زید اپنے آپ کو عالم کہتا ہے ۔ اکثر میلاد شریف وغیرہ بیان کرتا ہے ۔ اور بزعم خود تعزیہ داری و نوحہ و مرثیہ خوانی کی بابت کلام مجید سے ثابت ہونا بتلاتا ہے اور اپنے بیان میں تعزیہ داری کی ترغیب دیتا ہے ۔ اور شیعوں کے ماتم میں خود بھی شریک ہو کر ماتم کرتا ہے اور تعزیہ و علم کی تعظیم کرتا ہے ۔ ایسے شخص کا بیان سُننا چاہیئے یا نہیں ؟ اور مذہب حقہ زید کے بارے میں کیا حکم دیتا ہے ؟

۸ زید ایک شیعہ کو قطب متصرف سمجھتا ہے اور اس کے کمالات و کرامات بیان کر کے لوگوں کو اس کا معتقد بناتا ہے ۔ لہذا زید کے بارے میں کیا حکم ہے ؟ اور کیا کوئی شیعہ (تبرائی) قطب و متصرف ہو سکتا ہے ؟

اور یہ بھی

۹ سوالات ۱ تا ۸ کا اعتقاد رکھنے والا قابل امامت ہے یا نہیں ؟

الجواب

۱ علمائے امت اس پر متفق ہیں کہ مطلقاً افضل البشر بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں ۔ پھر حضرت فاروق ۔ پھر حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین ۔ صواعق محرقہ میں ہے ۔ اعلم ان الذی اطبق علیہ عظماء الملۃ وعلماء الائمۃ ان افضل ھذہ الامۃ ابوبکر الصدیق ثم عمر الخ ومثلہ فی شرح العقائد ۔ من کل الوجوہ افضلیت کا سوال ہی بے جا ہے ۔ اعتبار افضلیت مطلقہ کا ہے ۔ اور عند الاطلاق وہی مراد ہوتی ہے ۔ ان حضرات میں سے ہر ایک کو خدا تعالےٰ نے فضائل مخصوصہ عطا فرمائے ہیں ۔ اور وہ فضیلت مطلقہ کے منافی نہیں ۔

۲ اگر وہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی افضلیت مطلقہ کا قائل ہوتے ہوئے بعض خصوصیات حضرت علی یا دیگر صحابہ کے ذکر کرتا ہے ۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین ۔ تو اس سے نہ ایمان میں خلل آتا ہے ۔ نہ اُس کی امامت ناجائز ۔ کہ تمام صحابہ کرام کسی نہ کسی خصوصیت میں امتیازی شان رکھتے ہیں ۔ مثلاً امانت خاصہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خصوصیات میں سے ہے ۔ اور صرف ایک شہادت کا نصاب ہونا حضرت ابی خزیمہ کی ۔ اور قرآن کریم میں اسم خاص کے ساتھ ذکر ہونا حضرت زید کی خصوصیات سے ہیں ۔ یہ فضائل مخصوصہ جو خدا نے ان حضرات کو عطا فرمائے ۔ کوئی وجہ ازسلات

کس طرح انکار کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسے خصوصیات کو بیان کرکے مطلقاً کسی ایک صحابی کی فضیلت دوسرے کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ دھوکہ دے رہا ہے اور اپنے باطل مذہب کی ترویج۔ لیکن اگر قائل حضرت مولا علی مرتضٰے کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر ہر طرح ترجیح دیتا ہے۔ تو گمراہ ہے۔ کہ عقیدہ اہل اسلام کے خلاف ہے۔ اسی صواعق میں ہے۔ فانہ کان یقول ابوبکر خیر وعلی افضل فان ارید ان خیریۃ ابوبکر من بعض الوجوہ والافضلیۃ علی من وجہ آخر لم یکن ذلک فی محل الخلاف والفاضل ان المفضول قد توجد فیہ مزیۃ بل مزایا لا توجد فی الفاضل فان اراد شیخ المشایخ ذلک فان اباابکر افضل مطلقاً الا ان علیا وجدت فیہ مزایا لم توجد فی ابی بکر فکلامہ صحیح۔

۳ تبرائی روافض مرتد ہیں۔ ہندیہ میں ہے موجب اکفار الروافض۔ اسی میں ہے۔ وھؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین۔ کفار کے ساتھ محبت وتعلقات رکھنا ناجائز ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ پ۳ع۱۱ نیز ارشاد فرماتا ہے۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ الآیہ۔ لہٰذا روافض سے روابط وابست جائز نہیں۔ اور ان سے نکاح درست نہیں۔ محض زنا ہوگا۔ رد المحتار۔ عالمگیری بحر میں ہے: رافضی کو سیادت ہرگز مفید نہیں۔ اس لئے کہ وہ مرتد ہے۔ اور خدا کا دشمن۔ اگر اسی مذہب رفض پہ مرگیا۔ تو جہنم کے اسفل السافلین میں اس کا ٹھکانا ہوگا۔ سیادت اور طعن اہل النار کا اجتماع کیسا؟ سید وہ مسلمان ہے جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اولاد میں ہو۔ روافض تو مسلمان ہی نہیں۔ سید کیسے۔ نوح علیہ السلام کے بیٹے کے متعلق ارشاد ہے۔ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ۔

۴ یہ گمراہ محض ہے۔ کسی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا بھی عداوت رکھنا حقیقتاً حضور سے عداوت ہے۔ اور قرآن کریم کی مخالفت کرنا ہے۔ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بہت فضائل ہیں۔ وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو بڑی افضلیت ہے۔ اور حضور کے کاتب وصاحب اسرار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخ الزوج ہیں۔ مجتہد صحابی ہیں۔ کما قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کما فی البخاری۔ انہی کے متعلق حضور نے دعا فرمائی اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا۔ انہی کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ

تعالٰی عنہ نے فرمایا۔ معاویة فی الجنة۔ تمام ازواج واہل بیت رسالت نے ان کی توقیر فرمائی۔
ان کے مخلصانہ ہدایا قبول فرمائے۔ ان کی شان میں گستاخی کرنے والا بے ادب بد تعصب ہے۔
ان کے اسم شریف کے ساتھ رضی اللہ تعالٰی عنہ ضرور کہنا چاہئے۔ کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔
رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی۔

۳۔ زید جولیلے کو عالم کہتا ہے اور میلاد شریف پڑھتا ہے۔ اگر وہ علم رکھتا ہے تو اسے عالم کہنا غلطی نہیں اور میلاد شریف پڑھنا امر نیک ہے۔ رب کی اطاعت پر مشتمل ہے۔ سبب برکت علامت محبت رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ نشانی ایمان ہے۔ رہی تعزیہ داری اور نوحہ جن کو قرآن پاک سے ثابت بتاتا ہے۔ اس کے لئے خود اس کا بیان مسائل کو پیش کرنا چاہئے۔ تاکہ اس کی صحت اور عدم صحت پر حکم دیا جاسکے۔ رہا مجلس روافض میں شرکت اور ان کے ساتھ ماتم کرنا یہ دونوں امر ممنوع اور شرعاً ناجائز ہیں۔ ان سے توبہ لازم ہے۔ زید کو امام نہ بنایا جائے۔ تاوقتیکہ ماتم وغیرہ سے توبہ نہ کرے۔

۴۔ اگر وہ رافضی (تبرائی) ہے۔ اور کفریہ عقائد رکھتا ہے۔ تو اس کو قطب کیا مومن کہنا بھی درست نہیں۔ اگر زید اس کے کفریات پر مطلع نہ ہو۔ تو اس کی یہ مدح سرائی اور بدمذہب کی ثنا وصفت حرام ہے اگر زید اس رافضی کے عقائد کفریہ پر مطلع بھی ہو اور باوجود اس کے اس کو مومن ہی کہے تو خود زید بھی اسلام سے خارج ہوجائے گا۔ من شک فی عذابه وکفره فقد کفر۔ عامۂ کتب۔ کوئی رافضی بھی قطب اور ولی نہیں ہوسکتا خواہ تبرائی ہو یا غیر تبرائی۔ دونوں نام کے مومن ہیں۔ حقیقت میں دشمن اسلام اور ولایت متقی مسلمان ہی کو حاصل ہوسکتی ہے۔ اِنْ اَوْلِیَاؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔

۵۔ تفاصیل بیان کردی گئیں مطالعہ کرو۔ واللہ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم۔

فتویٰ نمبر ۲۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک واعظ ہے۔ اکثر عورتوں کو اپنے سامنے بلا پردہ بٹھا وعظ کہا کرتا ہے اور منع کرنے پر احادیث پیش کرتا ہے۔ کہ حدیث سے ثابت ہے کہ عورتیں عیدگاہ اور نمازوں میں جایا کرتی تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب پاک خطبہ عید سے فراغت پاکر

مجمع زناں میں تشریف لے جاتے تھے۔ حالانکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور کے ہمراہ ہوتے تھے اور آپ ان کو صدقہ کی رغبت دیتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اجنبی عورتوں کا مردوں کے سامنے منہ کھول کر واعظ کے سامنے آنا جائز ہے۔ نیز آیت پیش کرتا ہے۔ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَہُنَّ اِلَّا مَا ظَہَرَ مِنْہَا اور کہتا ہے کہ اجنبی عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھولنا جائز ہے باقی جسم کا چھپانا واجب یہی پردے کے معنی ہیں۔ فقہا کے اقوال پیش کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ہاتھ ستر نہیں۔ اس کے تمام دلائل کتابی شکل میں حاضر خدمت ہیں۔ ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمائیں۔ کہ آیا زید کا قول صحیح ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو ان دلائل کا کیا جواب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اجنبی مرد کا بے پردہ عورتوں کو اپنے سامنے جمع کر کے وعظ کہنا ناجائز ہے۔ تین وجہوں سے اولاً تو اس لئے کہ عورتوں کا وعظ سننے کے لئے بے پردہ گھروں سے نکلنا منع ہے۔ دوسرے اس لئے کہ اجنبی مرد کا عورتوں کا دیکھنا ناجائز۔ تیسرے اس لئے کہ ان عورتوں کا اجنبی مرد واعظ پر نظر ڈالنا غیر درست۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ وقرن فی بیوتکن اے نبی کی عورتو اپنے گھروں میں رہو تفسیر احمدیہ میں ہے۔ ای قرن فی بیوتکن لا تخرجن منها والزمن الاقامة فيها۔ یہ خطاب اگرچہ ازواج مطہرات سے ہے۔ لیکن اس کا حکم عام عورتوں کے لئے بھی ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ اقمن الصلوٰة وآتین الزكوٰة واطعن الله ورسوله۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو سوائے ان سات ضرورت شرعیہ کے جن کی تفصیل فقہانے فرمائی ہے گھر سے نکلنا جائز نہیں اور شرکت مجلس وعظ ان سات ضرورت شرعیہ میں سے نہیں۔ درمختار میں ہے۔ ویكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به لفساد الزمان جب جماعت نماز کے لئے جو اہم ترین عبادت ہے گھر سے نکلنا عورتوں کا جائز نہ ہوا تو مجلس وعظ میں شرکت کرنے کے لئے کیوں کر جائز ہوگا۔ بحر الرائق میں ہے۔ ولا يحضرن الجماعة لقوله تعالى وقرن في بيوتكن. وقال صلى الله عليه وسلم صلوتها في قعر بيتها افضل من صلوتها في صحن دارها الخ اسی میں ہے ویکره حضورهن المسجد للصلوٰة فلان يكره حضورها مجالس الوعظ خصوصاً عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء اولى۔ اسی میں ہے يجوز للزوج ان يأذن لها بالخروج الى سبعة مواضع

زیارۃ الوالدین وعیادتھما وتعزیتھما وزیارۃ المحارم فان کانت قابلۃ او غاسلۃ او کان لھا علی آخر حق تخرج بالاذن وبغیر الاذن والحج علی ھذا (باب الامامۃ) عالمگیری میں ہے وکرہ لھن حضور الجماعۃ والفتوی الیوم علی الکراھۃ فی کل الصلوات لظھور الفساد۔ دیکھو ہمارے فقہاء کس شدومد سے عورتوں کو مجلس وعظ میں شرکت کے لئے نکلنے کو منع فرماتے ہیں۔ اگرچہ عورت پردہ کے ساتھ برقع اوڑھ کر ہی شرکت کرے۔ جب بھی خلاف احتیاط ہے۔ چہ جائیکہ بے حجاب شرکت کرے۔ یہی وہ احادیث جو مستدل مجوز نے اپنی تائید میں پیش کی ہیں۔ اُن سے اس کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اولاً تو زمانہ اقدس میں عورتوں کا عید و مجالس وعظ میں شرکت ضروری تھا کہ وہ وقت تبلیغ احکام شرعیہ کا تھا۔ عورتیں اگر ان مجالس میں شرکت نہ کرتیں تو اپنے متعلق احکام شرعیہ کس طرح معلوم کر سکتی تھیں۔ وہ زمانہ بھی نہایت پاکبازی و دینداری کا تھا۔ پھر بھی پردہ کے اہتمام سے اس طرح معلوم کر سکتی تھیں۔ کہ کوئی ان کو پہچان نہ سکتا تھا۔ چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرت ام المؤمنین محبوبہ محبوب رب العالمین صدیقہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصلی الصبح فتنصرف النساء متلفعات بمروطھن ما یعرفن من الغلس۔ اس خیر و برکت کے زمانہ میں اس قدر سخت ضرورت کی وجہ سے اتنی احتیاطوں کے ساتھ عورتوں کے مجالس وعظ میں شرکت کرنے پر اس زمانہ شر و فساد کو قیاس کرنا جبکہ ایسی ضرورت بھی نہ ہو خصوصاً بے پردگی کے ساتھ محض قیاس مع الفارق ہے۔ امیر المؤمنین غیظ المنافقین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عورتوں کو مجالس وعظ و جماعت نماز سے ایک دم روک دیا۔ عورتوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں شکایت کی۔ کہ ہم کو فاروق اس امر خیر سے روک رہے ہیں جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ روکا۔ تو انہوں نے جواب دیا لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی ما احدثت النساء بعدہ لمنعھن کما منعت نساء بنی اسرائیل (بخاری باب خروج النساء الی المساجد باللیل) در مختار میں اسی حدیث کو نقل فرما کر فرماتے ہیں۔ وھذا فی زمانھا فما ظنک بزماننا یعنی یہ ممانعت تو اس پاک زمانہ (خیر القرون) میں تھی۔ تو اس زمانہ شر و فتن کی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ فقیر کی یہ مختصر تحریر ان تمام اوہام کو دفع کرنے کے لئے بفضلہ تعالیٰ کافی ہے۔ جو مستدل کو ان عبارات منقولہ سے پیدا ہو گئے۔

دوم اجنبی عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا جائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ امام احمد ترمذی و ابوداؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ جس میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا انہوں نے عرض کیا۔ وہ تو نابینا ہیں۔ ہمیں تو دیکھتے نہیں تو ارشاد فرمایا کہ تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم بھی انہیں نہیں دیکھتیں مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ کتاب النکاح قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یا رسول اللّٰہ الیس ھو اعمی لا یبصرنا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ۔ اسی حدیث کی شرح میں مرقات میں ہے۔ قیل فیہ تحریم نظر المرأۃ الی الاجنبی مطلقًا و بعض خصہ بحال خوف الفتنۃ علیہا۔ شیخ عبدالحق رضی اللہ تعالٰی عنہ اشعۃ اللمعات میں حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔ واستدلال کردہ اند بعضے بر جواز نظر امرأۃ بر اجنبی اگر وے را نہ بیند اور قول صحیح کہ جمہور بر آنند کہ حرام است از جہت قول حق تعالٰی ذ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ۔ واز جہت حدیث ام سلمہ افعمیاوان انتما۔ شروع باب العدۃ رد المختار میں ہے۔ وجہ الفرق کما فی الھدایۃ ان الشھوۃ علیھن غالبۃ وھو کالمتحقق اعتبارًا

سوئم۔ اجنبی مرد کا اجنبیہ عورت کو دیکھنا حرام ہے۔ اس لئے کہ اس کا چہرہ ستر عورت ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اس میں خوف فتنہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْھُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ۔ یہ آیت بھی ازواج مطہرات کی شان میں ہے لیکن حکم عام ہے تفسیرات احمدیہ میں ہے لان موردہ وان کان خاصًا فی حق ازواج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ وسلم لکن الحکم عام لکل من المؤمنات فیفہم منہ ان تحتجب جمیع النساء من الرجال ولا یبدین انفسہن علیہم قرآن کریم میں ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ بیہقی نے حضرت حسن سے روایت کی بلغنی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لعن اللّٰہ الناظر والمنظور الیہ اللہ لعنت کرے دیکھنے والے پر اور اس عورت پر جسے دیکھے۔ مسلم و بخاری نے حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل یا رسول اللّٰہ ارأیت الحمو قال الحمو الموت۔ امام مسلم نے حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ سألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف بصری۔

ان آیات قرآنیہ و احادیث سے ثابت ہوا کہ اجنبیہ کو اجنبی سے پردہ کرنا ضروری ہے رہی وہ آیت و احادیث جو مستدل ہوا ہے نے پیش کیں۔ وہ اس کے کلام کی تائید نہیں کرتیں۔ آیت تو اس لئے کہ

اسی میں لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ ہے۔ اس سے استدلال ہے اور یہ استدلال فاسد ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ آیت میں مواضع زینت کے اظہار کی عورت کو اجازت دی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے ہر وقت چھپانے میں حرج عظیم ہے۔ اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ مرد کو بھی اس کا دیکھنا جائز ہو۔ یہاں فعل عورت (یعنی اظہار) کا ذکر ہے۔ نظر تو فعل مرد ہے۔ وہ کس طرح جائز ہوگا۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ فالمذکور فی الآیۃ ما ھو من جانب المرأۃ دون ما ھو من جانب الناظر واین ھذا من ذلک۔

دوم اس لئے کہ آیت میں یہ ذکر نہیں کہ محض نماز کے لئے یہ حکم ہے یا خارج نماز کے لئے بھی یا ضرورت کے موقع پر یہ حکم ہے یا کہ بلا ضرورت بھی تنہائی کی حالت میں یہ حکم ہے۔ یا اجانب کے سامنے بھی۔ تفسیرات احمدیہ نے بحوالہ بیضاوی فرمایا والاظہر ان ھذا فی الصلوٰۃ فان کل بدن الحرۃ عورۃ لا یحل لغیر الزوج والمحرم النظر الی شیء منھا الا لضرورۃ کالمعالجۃ وتحمل الشھادۃ ھذا کلامہ ولا یخفی حسنہ۔ اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے اور مفسرین کے اس قدر اختلاف کے باوجود استدلال کس طرح درست ہوگا۔ رہی وہ احادیث ان سے بھی استدلال تام نہیں۔ کہ ان احادیث سے عورتوں کا صرف عید وغیرہ کے موقعوں پر نمازیں یا مجالس وعظ میں آنا ثابت ہے۔ جس کا جواب ہم اوپر دے چکے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بے پردہ نکلا ہوتی تھیں۔ اور مانا یہی ہے اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بے پردہ بھی حاضر ہوئیں۔ تو ہم دوسروں کو حضور کی ذات کریمہ پر کس طرح قیاس کر سکتے ہیں۔ تمام جہان کی عورتیں حضور کی لونڈیاں ہیں بلکہ اس سے بھی کم قرآن کریم فرماتا ہے۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور کی ولایت ولی اقرب حق کہ اپنے نفس کی ولایت سے بھی قوی تر ہے لہٰذا حضور پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ نہیں۔ ہم نے وہ احادیث بحمدہ تعالیٰ پیش کر دیں۔ جو صراحۃً پردہ کو واجب کر رہی ہیں۔ رہے اقوال فقہاء۔ اولاً تو اس میں خود ہمارے فقہاء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم اوپر حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال تفسیرات احمدیہ سے پیش کر چکے ہیں۔ جن فقہاء نے جواز کا حکم دیا ہے۔ وہ شہوت نہ ہونے کی شرط پر موقوف ہے۔ پھر بھی بلا ضرورت مکروہ فرماتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ وفی شرح الکرخی النظر الی وجہ الاجنبیۃ الحرۃ لیس بحرام ولکنہ یکرہ بغیر حاجۃ وظاھرہ انہ الکراھۃ ولو بلا شھوۃ۔ اس زمانہ کے لئے مطلقاً منع فرماتے ہیں۔ درمختار میں ہے۔ فحل النظر مقید بعدم الشھوۃ والا فحرام وھذا فی زمانھم واما فی زماننا فمنع من الشابۃ۔ ردالمحتار میں ہے لا لانہ عورۃ بل لخوف الفتنۃ کما قدمہ فی شروط

الصلوٰۃ - اسی درمختار باب الستر میں ہے۔ وتمنع المرأۃ الشابۃ من کشف الوجہ بین رجال لا لانہ عورۃ بل لخوف الفتنۃ۔ ردالمحتار میں ہے۔ لانہ مع الکشف قد یقع النظر الیہا بشہوۃ۔ خوف فتنہ کا اتنا لحاظ کیا گیا ہے کہ صالحہ عورت کو فاسقہ بازار میں پھرنے والیوں کے سامنے یا کافرہ عورتوں کے سامنے بے پردہ آنا منع ہے۔ اسی ردالمحتار میں ہے۔ ولا ینبغی للمرأۃ الصالحۃ ان تنظر الیہا المرأۃ الفاجرۃ۔ درمختار میں ہے والذمیۃ کالرجل الاجنبی فی الاصح فلا تنظر الی بدن المسلمۃ۔ بحر میں ہے۔ قال مشائخنا تمنع المرأۃ الشابۃ من کشف وجہہا بین الرجال فی زماننا للفتنۃ - لہٰذا واعظین کو بہت جلد اس رسم کو مٹانا چاہئے۔ ان میں تبلیغ یا تو بذریعہ کتب و رسائل کی جائے یا ذی علم عورتیں غیر ذی علم عورتوں کو احکام سکھا دیں یا نہایت پردہ کے ساتھ واعظ سے بالکل علیحدہ ایک عمارت یا چلمن پردہ کی آڑ سے کر وعظ واحکام سنیں۔ مگر اس تیسری صورت میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہٗ

فتویٰ نمبر ۲۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زندگی کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟ اس میں یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ مل کر ایک انجمن قائم کرتے ہیں اور ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کچھ رقم جمع کراتا رہتا ہے۔ اور یہ طے ہو جاتا ہے کہ اتنے زمانہ تک یہ رقم جمع کراتا رہے گا اور اس کے بعد اتنا روپیہ انجمن سے حاصل کرے گا۔ اب اگر ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ تو انجمن کو وہ تمام رقم ادا کرنی پڑے گی جو طے ہو چکی ہے۔ مثلاً اگر دس ہزار کا بیمہ کیا۔ اور بیس روپیہ ماہوار ادا کرنے کا تا حین حیات اقرار کیا۔ اب اس کا ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد انتقال ہو گیا۔ تو بھی انجمن کو دس ہزار روپیہ دینا پڑے گا۔ اور اگر سو برس تک زندہ رہ کر مرا تو بھی اتنا ہی روپیہ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔

(۱) تھوڑی تھوڑی رقم جاتی ہے اور اکٹھی رقم آتی ہے۔

(۲) روپیہ محفوظ رہتا ہے اور اپنی اولاد کی طرف سے بے فکری رہتی ہے۔

ایسا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو وہ شرکت ہے یا امانت اور اگر ناجائز ہے۔

از اجمیر شریف   تذکیلہ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر یہ کمپنی خالص کفار کی ہے۔ اور یہ بیمہ پالیسی کمپنی اس شخص کو سفر حج یا دیگر احکام شرعیہ سے نہیں روکتے
اور مسلمان کے نقصان کا قوی اندیشہ نہ ہو۔ تو بیمہ کرانا جائز ہے۔ جو فائدہ اس بیمہ کے ذریعہ بیمہ کرنے والا حاصل
کرے وہ حلال ہے کہ یہ حقیقۃً یا تو عقد ربوٰ ہے یا عقد قمار ربوٰ۔ تو اس لئے کہ جو رقم بیمہ والے سے کمپنی لیتی ہے۔
وہ یا تو بطور قرض لیتی ہے یا بطور بیع اور دونوں صورتوں میں بیمہ کرنے والا رقم بھی واپس لیتا ہے اور وہ منافع بھی حاصل
کرتا ہے جو سائل نے بیان کئے۔ لہٰذا یہ ربوٰ ہوا۔ بصورت قرض تو اس لئے کہ کل قرض جر نفعا فهو
ربو۔ اور بصورت بیع اس لئے کہ یہ منافع خالی عن العوض ہے۔ لہٰذا ربوٰ ہے۔ بحر میں ہے فضل مال
بلا عوض فی معاوضة مال بمال درمختار میں ہے۔ هو فضل خال عن العوض مشروط لاحدهما
فی المعاوضة۔ نیز اسی درمختار میں ہے۔ فدخل ربو النسیئة والبیوع الفاسدة فكلها من الربو، قمار
اس لئے کہ قمار میں ایجاب مال علی شرط الفلتة ہوتا ہے۔ (قاموس) اسی میں ہے کہ اگر صاحب بیمہ
کی زندگی دراز ہوئی تو کمپنی کا غلبہ ہوا کہ اس کے پاس رقم زیادہ پہنچی۔ اور اگر اس کی عمر کم ہوئی تو اس کو
نفع ہوا کہ رقم کم پہنچی اور زیادہ ہاتھ آئی اور تمام عقود فاسدہ خواہ بیع بالشرط ہو یا ربوٰ یا قمار۔ ان کے
ذریعہ کفار حربیوں سے اگر مسلمان کو نفع ہو تو جائز ہے اور اگر کفار کو ہو تو ناجائز۔ بحر میں ہے۔ ای لا
ربوا بینهما فی دار الحرب عندهما خلافا لابی یوسف وفی البنایة وكذا اذا باع خمرا او خنزيرا
او میتة او قامرهم واخذ المال کل ذلك يحل له۔ اسی میں ہے لا یخفی انه انما اقتضى حل
مباشرة العقد اذا كانت الزيادة ينالها المسلم۔ درمختار میں ہے۔ ولا بين حربي ومسلم
لان ماله ثمه مباح فيحل برضاه مطلقا بلا غدر۔ ردالمحتار میں ہے۔ حتى لو باعهم درهما
بدرهمين او باعهم ميتة بدراهم او اخذ مالا منهم بطريق القمار ما اذا حصلت الزيادة
للمسلم۔ اور شرعاً یہ عقد، عقد شرکت نہیں کہ شرکت میں مال شرکت تو متعین و معلوم ہونا چاہئے اور مال
اور غیر متعین غیر معلوم ہونا چاہئے۔ شرکت میں خبر نہیں ہوتی کہ نفع ہو یا نقصان۔ اور اگر نفع ہو تو کتنا
اور اگر نقصان ہو تو کس قدر مگر یہاں معاملہ برعکس ہے کہ جو رقم بیمہ والے کو دے گی۔ وہ تو معلوم ہے۔ مگر
جو رقم کمپنی کو حاصل ہوگی وہ مجہول ہے کہ بوقت شرکت کسی کو خبر نہیں کہ اس شخص سے کتنا روپیہ وصول ہوگا۔
اگر موت جلد واقع ہوگئی۔ تو روپیہ کم وصول ہوا۔ بصورت دیگر زیادہ۔ اگر اس شخص نے بغرض شرکت بھی روپیہ

دیا ہو تب بھی شرکت فاسد ہے کیونکہ مقرر کر دیا گیا ہے کہ اتنا روپیہ واپس ہوگا اور شرکت فاسدہ قرض ہو جاتی ہے۔ درمختار میں ہے۔ وتفسد باشتراط الدراھم مسماۃ من الربح لاحدھما لقطع الشرکۃ۔ ردالمحتار میں ہے۔ وذلک یقطعھا فتخرج الی القرض او البضاعۃ۔ اور دین امانت ہے۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۲۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں کے اوقاف میں کسی حاکم یا غیر حاکم کو یہ اختیار ہے یا نہیں کہ وہ شرائط واقف کے خلاف کوئی کارروائی وقف میں کرے یا واقف کے مقرر کردہ متولی کو متولی ہوتے ہوئے معزول کر کے کوئی کمیٹی مقرر کریں جسے وقف کے انتظامات سپرد ہوں اگر نہیں تو یہ زبردستی مداخلت فی الدین ہے یا نہیں؟

۲۔ وقف جائداد کے سابق مقرر کردہ لگان میں کمی کر دینا جس سے آمدنی کم ہو جائے جائز ہے یا نہیں؟ نیز وقف کی آمدنی میں سے ایک بڑی رقم لے کر قائم کردہ نیا دفتر یا کمیٹی یا بورڈ پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وقف کی آمدنی سے چندہ یا ٹیکس لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ ازمحمد

الجواب

۱۔ شرائط واقف کی مخالفت شرعاً جائز نہیں۔ حتی کہ سلطان اسلام اور قاضی وغیرہ کسی کو درست نہیں۔ چہ جائیکہ غیر مسلم حکومت کو۔ واقف کی شرطیں نصوص شرعیہ کی طرح شرط واجب العمل ہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ ما خالف شرط الواقف فھو مخالف النص وھو حکم لادلیل علیہ وھو موافق لقول مشائخنا کغیرھم شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعہ۔ درمختار میں ہے۔ شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفھوم والدلالۃ ووجوب العمل بہ۔ واقف نے جس کو متولی قرار دیا ہے قاضی یا حکومت اپنی رائے سے معزول نہیں کر سکتے۔ نیز اگر متولی سابق جس کسی کو اپنا قائم مقام کر کے انتقال کر گیا ہو تو اس کے بھی معزول کرنے کا حکومت یا کسی اور کو حق نہیں۔ اگر حکومت کسی کو متولی کر بھی دے تب بھی اس کی تولیت شرعاً جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر واقف نے کسی کی نسل کے لئے تولیت مخصوص کر دی تو اس نسل ہی میں رہے گی۔ حکومت یا کسی کو اس سے تولیت نکالنا جائز نہیں ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ اذا مات المتولی المشروط لہ بعد الواقف فالقاضی ینصب غیرہ وشرط فی المتن ان لایکون المتولی اوصی لآخر عند موتہ فان اوصی لاینصب القاضی۔ عالمگیری میں ہے۔ شرط الواقف ان یکون المتولی من اولادہ واولاد اولادہ ھل للقاضی ان یولی غیرہ بلا خیانۃ ولو ولاہ ھل یکون متولیا قال الشیخ الاسلام برھان الدین لا۔ لہذا مسلمانوں کے اوقاف میں خلاف منشاء واقفین تصرف کرنا یا متولی

مقرر کر کے تولیت سے علیحدہ کرنا ناجائز اور مداخلت فی الدین ہے۔

۵۔ تحقیقات اوقاف کے وقائف کے مصارف بورڈ یا کمیٹی کے اخراجات بذریعہ ٹیکس یا چندہ وقف سے وصول کرنا ناجائز ہے۔ واقف نے وقف کے جو مصارف مقرر کر دیئے ہیں۔ ان کے سوا دوسرے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں وقف سے سابق نگران میں کمی کرنے سے وقف کا نقصان ہے اور جو چیز بھی وقف کو مضر ہے ناجائز ہے۔

ردّ فتویٰ نمبر ۲۷ مولوی کفایت اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مدرسہ امینیہ دہلی کا فتویٰ جو مفتی کفایت اللہ کی تصحیح سے طرق ایصال ثواب تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، سہ ماہی، برسی وغیرہ کے متعلق تحریر کیا گیا ہے۔ بالکل غلط و باطل ہے۔ اس میں مفتی نے لکھا ہے کہ ان میں سے کوئی فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں۔ اس سے مفتی کی کیا مراد ہے۔ آیا یہ کہ ان امور کی اصل ثابت نہیں یا کہ ہیئات ثابت نہیں۔ بہ تقدیر اول غلط کہ ان تمام امور کی اصل طاعات سے ایصال ثواب کرنا ہے۔ اور بالیقین قولاً و فعلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور عقائد اہل سنت میں سے ہے شرح عقائد میں ہے۔ وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتھم ای صدقۃ الاحیاء عنھم ای عن الاموات نفع لھم ای للاموات۔ اور احادیث کثیرہ سے ایصال ثواب ثابت ہے۔ اس کو یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ صحابہ کرام نہ تابعین نہ تبع تابعین اجمعین سے نہ ائمہ مجتہدین سے کذب محض اور افتراء خالص اور بہتان ہے۔ دنیا میں ایسا مفتی بھی موجود ہے جس کو یہ خبر نہیں کہ ایصال ثواب خود حضور سے ثابت ہے۔ حضور کریم صحابہ و اتباع کا معمول ہے یہ علم اور فتوے نویسی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ ہیئات ثابت نہیں تو اس پر دلیل شرعی قائم کرنی ہوگی کہ کسی چیز کی مشروعیت کے لئے اس کے جملہ خصوصیات و ہیئات کا اثبات بھی ضروری ہے۔ ایسا ہو تو قرآن کے اعراب اس کے پارے منزلیں رکوع وغیرہ مقرر کرنا اور کتب احادیث جمع کرنا اور ضبط احوال رواۃ یہ سب بدعت ہوں گے تدوین علوم وغیرہ و تفاسیر قرآن و مدارس اسلامیہ سب ممنوع ہو جائیں گے کہ یہ امور مع اپنی خصوصیات و ہیئات کے زمانہ اقدس میں ثابت ہی نہیں۔ لہٰذا کسی شق پر بھی مفتی کا کلام صحیح نہیں۔ اس کے بعد مفتی نے لکھا ہے کہ جو چیز خود یا اپنی مثال اور نظیر کے ساتھ خیر القرون میں کسی وقت پائی جائے۔ اس کو حکم شرعی سمجھا جائے۔ وہ بدعت اور قابل ترک ہے۔ اور اس کا مرتکب گنہگار ہے۔ مفتی صاحب مثل و نظیر سے کیا مراد لیتے ہیں۔ یہ کہ اس شے کی ہو بہو نقل خیر القرون میں نہ ہو۔ تب تو ان کی فتوے نویسی

بھی بدعت کہ اس طرح کا فتویٰ دیا۔ جہری ذکر نہ خیر القرون میں کیا تھا نہ مدرسہ اسلامیہ یہ بدعت۔ ایسے مدرسہ ان خصوصیات و ہیئات کے ساتھ خیر القرون میں کب پائے گئے تھے۔ اور اگر یہ خصوصیات ملحوظ نہیں تو ایصال ثواب بیشک پایا گیا تھا۔ ہندوستان میں سبیل لگائی جاتی ہے۔ شربت اور پانی پلایا جاتا ہے زمانہ نبوی میں کنواں بنا کر ایصال ثواب کیا گیا تھا اس صورت میں امور مذکورہ کو بدعت قرار دینا جہل اور باطل ہے۔ پھر بدعت میں خیر القرون کی قید کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔ اور اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ خیر القرون میں اگر کوئی امر حادث ہو۔ خواہ کیسا ہی ہو بدعت ہو ہی نہیں سکتا یہ کیسے تو رفض و خروج کچھ بھی بدعت نہ ہو اور روافض و خوارج اہل بدعت نہ رہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں زمانہ تابعین میں پیدا ہو چکی تھیں۔ مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ اس کو حکم شریعت سمجھا جائے۔ اس سے ان کا کیا مطلب ہے آیا یہ کہ اس کو واجب سمجھا جائے۔ رخصت سمجھا جائے جب بھی حکم شرعی کا صدق اس پر ہو گیا یا یہ کہ اس کو ان خصوصیات و ہیئات کے ساتھ مطلوب اور مامور سمجھا جائے۔ یہ معنی کبھی مفتی صاحب کے تصور میں بھی نہ آئے ہوں گے لفظ لکھتے ہیں اور معنی نہیں سمجھتے۔ اس کی تو مفتی صاحب کو تکلیف دیجئے کہ وہ حکم شرعی سمجھنے کا مقصد بیان کریں مگر اس کا یہ حکم اس کے سارے فتوے کو باطل کرتا ہے کیونکہ مفتی نے اس کے اوپر لکھا ہے کہ تمام رسومات بعد کے لوگوں کے اختراعات ہیں۔ تو جو چیز بقول مفتی رسوم میں داخل ہے اور اس کے عامل اس کو رسوم سمجھ کر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ حکم شرعی نہیں سمجھی گئی۔ لہذا مفتی کے نزدیک بھی بدعت نہیں ہوئی اور مفتی کا اس کو بدعت اور قابل ترک اور اس کے مرتکب کو گنہگار بتانا لغو اور باطل ہوا۔ اور ایسے باطل حکم کو جو اپنے دل سے گھڑا ہو۔ بصورت فتویٰ لکھ کر یہ ظاہر کرنا کہ یہ حکم شرعی ہے۔ ایسی بدعت سیئہ ہے۔ جس پر اس مفتی کی تعریف پوری صادق آتی ہے۔ آخر میں مفتی صاحب نے لکھا ہے۔ لہذا یہ تمام رسوم بدعات ہیں۔ اور ان کا ترک کرنا اور ان کے ترک کروانے میں کوشش ہر مسلمان پر لازم ہے۔ بحمد اللہ خوب واضح ہو چکا کہ امور مذکورہ ثابت الاصل ہیں۔ ان کے بدعت ہونے کا حکم باطل ہے۔ پھر ان کے ترک کرنے اور کرانے کی کوشش کرنا سعی غیر ہے۔ تتمہ جو حدیثیں لکھی ہیں۔ من احدث فی امرنا الحدیث اور کل بدعۃ ضلالۃ الحدیث اور ومن رای منکرا الحدیث ان کے معانی مفتی صاحب سمجھے یا نہ سمجھے مگر کانگریس کا اتباع اور اس کی ہر امر میں موافقت اور اپنی انگلی کو کانگریس طرفیت کے اشارہ ابرو پر نثار کر ڈالنا۔ یہ تمام چیزیں مفتی صاحب کی نظر میں ان احادیث میں سے کسی حدیث کا مصداق نہیں بنتیں۔ اللہ تعالیٰ حق کہنے حق بولنے حق ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتہ و هو ارحم الراحمین۔

احمد یار خاں

فتویٰ نمبر ۲۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔

۱۔ کسی کافر کے ہاتھ مسلمان کا ذبح کیا ہوا گوشت بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً مراد آباد سے رامپور کسی دوست کے پاس کسی کافر غیر کتابی کے ہمراہ گوشت بھیجا جائے اور مسلمان ہمراہ نہ ہو؟

۲۔ یا ایسا شکار ذبح پوست دیر کے بھیجا جائے کہ جس کا شکل ملنا بہت دشوار ہے؟

۳۔ پکا ہوا سالن یا حلوہ مٹھائی وغیرہ بھیجنے کا کیا حکم ہے؟

۴۔ اگر کسی نے بھیجا تو اس کو کیا کیا جائے گا؟ بینوا بالکتاب وتوجروا الی یوم الحساب

الجواب

گوشت و دیگر اشیاء کافر کے ہاتھ ہدیۃً بھیجنا جائز ہے اور جس کے پاس بھیجا گیا۔ اس کو ان چیزوں کو کھانا حلال ہے اس لئے کہ کافر کا یہ کہنا کہ تمہارے دوست کا بھیجا ہوا ہے یہ معاملت کی ایک خبر ہے اور معاملات میں خبر کافر معتبر ہے۔ درمختار میں ہے ویقبل قول الکافر ولو مجوسیا قال اشتریت اللحم من کتابی فیحل او قال اشتریته من مجوسی فیحرم واصله ان خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات۔ شامی میں ہے۔ ان قوله شریته من المعاملات وثبوت الحل والحرمة فیه ضمنی فلما قبل قوله فی الشراء ثبت ما فی ضمنه۔ ہاں کافر سے گوشت خریدنا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ یہی کہے کہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے۔ اس لئے کہ یہ بات دیانات کی ہے جو کہ کافر سے مسموع نہیں۔ لہٰذا اس میں اور پہلی صورت میں فرق ہے کما ثبت بالعبارۃ المذکورۃ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم

فتویٰ نمبر ۲۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چلتی ہوئی ریل میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۔ اگر وقت نماز جا رہا ہے اور ریل کے رکنے کی توقع بھی نہیں یا ریل رکتی تو ہے لیکن اتنی کم مدت کہ اس وقت میں فرض ادا ہونا ممکن نہیں ہے نیز اگر کسی نے پڑھ لی تو کیا کیا جائے گا؟ ۳۔ مسافر کا امام اتنا عرصہ رکتا ہے کہ اگر دوسری گاڑی سے جاتا ہے تو مقصود سفر ہی فوت ہوا جاتا ہے یا دوسری گاڑی کل جاتی ہے۔ یا امام خیر خواہ کلب

کشتی میں کرنے جا رہا ہے تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔ ۵ اس مسئلہ کو کشتی پر قیاس کرنے میں کونسی قباحت ہے؟

۶ اس مسئلہ کو اونٹ کے مسئلہ پر قیاس کریں گے یعنی جیسے وہاں چلتے اونٹ پر نماز جائز ہے۔ یہاں جائز ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب

۱ نماز فرض و واجب اور سنت فجر چلتی ہوئی گاڑی میں ناجائز ہے۔ اور نفل و دیگر سنن جائز۔ اس لئے کہ فرض وغیرہ میں جگہ ایک رہنا اور قبلہ کو نمازی کا منہ رہنا شرط ہے۔ اور چلتی ہوئی ریل اور دیگر سواریوں میں یہ دونوں باتیں مفقود ہیں۔ لہذا کسی چلتی ہوئی سواری پر یہ نمازیں جائز نہیں۔ بجز کشتی و جہاز کے۔ درمختار میں ہے۔ ولو وضع علی دابة فی شق محمل وهو یقدر علی النزول لا تجوز الصلوة علیها وهذا كله فی الفرض والواجب بانواعه وسنة الفجر واما فی النفل فتجوز علی المحمل والعجلة مطلقاً۔ ردالمحتار میں ہے۔ والحاصل ان كلا من اتحاد المكان واستقبال القبلة شرط فی الصلوة غير النافلة۔ عالمگیری میں ہے۔ ولا تجوز المكتوبة علی الدابة الا من عذر وكذا الواجبات مثل الوتر والمنذور۔ شامی میں ہے۔ اذا كانت العجلة علی الارض ولم یكن طرف منها علی الدابة وانما لها حين تجرها الدابة فيه تصح الصلوة علیها او كانت سائرة فی هذه الحالة لا تصح الصلوة علیها بلا عذر (ملخصاً)

۲ اس صورت میں آخر وقت تک ریل کے رکنے کا انتظار کرے۔ جب وقت جاتا دیکھے تو پڑھ لے اور بعد میں بوقت موقع قضا کرے کہ ریل کا نہ ٹھہرنا ان اعذار میں سے نہیں۔ جن سے نماز سواری پر جائز ہوتی ہے۔

۳ اس کا جواب اوپر گذر گیا۔

۴ اس مجبوری سے صرف فرض وغیرہ منع نہ ہوں گے کیونکہ نماز کی صورتیں اس میں ممکن ہیں۔ کما لا یمنع من الجماع فلفقد الماء۔ کشتی پر ریل کا قیاس صحیح نہیں کہ وہ پانی پر چلتی ہے اور ریل زمین پر اور کشتی بھی اگر کنارہ پر ٹھہری ہو اور اترنا ممکن ہو تو کشتی میں بھی یہ نمازیں جائز نہیں۔ عالمگیری میں ہے۔ وان لم تكن مستقرة وتمكنه الخروج عنها لم تجز الصلوة فيها۔

۵ اونٹ کا حکم بھی یہی ہے کہ نفل نماز اس پر جائز ہے۔ اور فرض وغیرہ ممنوع بلکہ اونٹ تو اگر کھڑا ہو جب بھی اس پر فرض وغیرہ نمازیں جائز نہیں۔ بخلاف ریل اور دیگر چار پہیوں والی گاڑی کے کہ اگر کھڑی ہوں تو ان پر نماز جائز کہ یہ مثل تخت کے ہیں لہذا ان کا اونٹ پر قیاس کیا؟ اور قیاس سے کیا فائدہ؟

فتویٰ نمبر ۳۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجھ کو ۵۰ روپے سرکار سے پنشن ملتی ہے۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ اپنی پنشن میں سے دس روپے سرکار کے ہاتھ فروخت کر دوں۔ اس کی قیمت اپنے لڑکے کی شادی میں خرچ کروں از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

پنشن گورنمنٹ کی طرف سے ایک انعام ہے جو گورنمنٹ کی طرف سے کارگزار ملازموں کو دیا جاتا ہے۔ کل پنشن یا اس کے بدلے میں نقد روپیہ لینا حقیقت میں انعام کے عوض دوسرا انعام لینا ہے۔ گویا تبدیل انعام بالانعام ہے۔ نہ بیع ہے اور نہ رشوت لہٰذا اس میں کوئی قباحت نہیں۔ کما فی العربیة فانها مبادلة بهبة یا زیادہ سے زیادہ ایک حق (پنشن) بعوض چھوڑنا ہے اور حقوق نافع بعوض مال چھوڑنا جائز ہیں بشرطیکہ عرف بخلاف حقوق دافع ضرر کے۔ در مختار میں ہے۔ فیفتی بجواز النزول عن الوظائف بمال۔ شامی میں ہے یجوز اخذ العوض علی وجه الاسقاط للحق۔ اسی میں ہے هذا احق جعله لدفع الضرر وذالك حق فيه صلة فلا جامع بينهما فافترقا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے۔ قد تعارف الفقهاء النزول عن الوظائف بمال يعطى لصاحبها وتعارفوا ذالك فينبغي الجواز۔ بہرحال یہ عمل جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۳۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صحیح تاریخ ولادت باسعادت کیا ہے۔ آیا یکم ربیع الاول یا ۹ یا ۱۲۔ علامہ شبلی مرحوم نے ۱۲ ربیع الاول سے انکار کیا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی نے ۹ ربیع الاول کو ترجیح دی ہے۔ اس میں ترجیح کس تاریخ کو ہے اور کس پر اتفاق ہے۔

الجواب

تمام اہل سیر و تاریخ اس پر متفق ہیں کہ روز ولادت باسعادت دوشنبہ مبارک ہے۔ اختلاف تین چیزوں میں ہے۔ اولاً یہ کہ سال کون سا تھا۔ دوم یہ کہ مہینہ کیا تھا۔ سوم یہ کہ تاریخ کیا تھی۔ سال کے بارے میں راجح یہ ہے کہ وہ سال فیل تھا۔ واقعہ اصحاب فیل سے پچپن دن کے بعد ولادت مبارکہ ہوئی۔ لہٰذا اپریل ۵۷۰ء تھی۔ مہینہ کے بارے میں چھ قول ہیں۔ محرم۔ صفر۔ ربیع الآخر۔ رجب۔ رمضان۔ لیکن صحیح ربیع الاول ہے۔

تاریخ کی بابت سات قول ہیں۔ ۲-۸-۱۰-۱۲-۱۷-۱۸-۲۲۔ ان سب میں مشہور تر اور معمول بہ قول بارہ کا ہے۔ لہٰذا قابل عمل و قبول یہ قول ہے کہ ولادت مبارکہ ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ مطابق اپریل سنہ ۵۷۱ء بوقت صبح صادق ہوئی اور اسی پر اہل عرب و عجم کا اتفاق ہے۔ اور اہل تاریخ اسی کا اعتقاد کرتے ہیں۔ چنانچہ حرمین شریفین میں اسی تاریخ میں محفل میلاد شریف کا انعقاد ہوتا ہے۔ اور اسی تاریخ میں اہل مکہ مکرمہ مولد پاک مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ مدارج میں فرماتے ہیں۔ کہ مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود و در دوازدہم ربیع الاول بود بعضے گفتہ اند کہ بعد دو شبے کہ گذشتہ بود بعض ہشت شبے کہ گذشتہ و نزد بعضے دہ آمدہ و قول اول اشہر و اکثر است و عمل اہل مکہ بر ایں ست در زیارت کردن ایشاں موضع ولادت دریں شب و خواندن مولود۔ مواہب و زرقانی میں ہے۔ فقیل ولد لیلتین خلتا منه وقیل لثمان خلت منه وقیل اثنا عشر من ربیع الاول وعلیه عمل اهل مکة قدیما وحدیثا فی زیارتهم موضع مولده فی هذا الوقت ای ثانی عشر ربیع الاول وقیل لسبع عشرة ربیع الاول وقیل ثمان عشرة والمشهور انه صلی الله علیه وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وهو قول محمد ابن اسحق وغیره قال ابن کثیر وهو المشهور عند الجمهور وبالغ ابن الجوزی وابن الجزار فنقلا فیه الاجماع وهو الذی علیه العمل۔ تاریخ ترجمہ ابن خلدون سوم صفحہ میں ہے۔ جمہور مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ عبداللہ ابن عبدالمطلب کے انتقال کے چند مہینہ بعد بارہویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے برس پچپن روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اس میں حاشیہ پر ہے۔ عام الفیل سنہ ۵۷۰ء کے مطابق ہے۔ اسی میں حاشیہ پر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سنہ ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔ غرض قابل اعتماد و مشہور ترین روایت یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول دوشنبہ صبح صادق ہوئی۔ ۹ ربیع الاول کا کسی نے قول نہیں کیا۔ جیسا اوپر کی روایتوں سے معلوم ہوا۔ مولوی منظور صاحب کا ۹ کو ترجیح دینا جہالت ہے۔ جب ۹ کا قول ہی نہیں تو ترجیح کیسی؟ زیادہ تحقیق اعلیٰحضرت قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ نطق الہلال میں دیکھو۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۳۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جدید طریقہ فوٹوگرافی سے جاندار کی تصویر کھینچنا یا کھنچوانا جائز ہے یا ناجائز۔ اگر جائز ہے تو کیوں؟ اور ناجائز ہے تو کیوں؟ اور اگر ناجائز ہے تو شرعاً کھینچنے اور کھنچوانے والے کا کیا حکم ہے۔ اور ضرورت شدیدہ میں جیسے پاسپورٹ وغیرہ کے موقع پر فوٹو کھنچوانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جاندار کی تصویر کھینچنا یا کھنچوانا مطلقاً ناجائز ہے۔ خواہ قلم سے کھینچی جائے یا فوٹو سے لی جائے یا مٹی و پتھر وغیرہ کی بنائی جائے۔ مسلم و بخاری نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرمائی۔ ان اصحاب ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لھم احیوا ما خلقتم۔ انہی بخاری و مسلم نے روایت کیا اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یضاھئون بخلق اللہ۔ نیز انہی بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی۔ اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون۔ بخاری میں ہے۔ من صور صورۃ عذب بہ۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ فان کنت لابد فاعلا فاصنع الشجر و مالا روح فیہ۔ درمختار میں ہے۔ ھذا کلہ فی اقتناء الصورۃ اما فعل التصویر فھو غیر جائز مطلقا لانہ مضاھاۃ لخلق اللہ۔

ان احادیث و عبارات فقہیہ سے معلوم ہوا کہ جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً ناجائز ہے۔ بنانے والا سخت گنہگار ہے اور مستحق عذاب۔ فوٹو کو آئینہ کی صورت پر اس لئے قیاس کرنا کہ ان دونوں میں صورت خود بخود چھپ جاتی ہے اور فوٹوگرافر اس میں کوئی عمل نہیں کرتا غلطی ہے اس لئے کہ ان دونوں میں چند وجہوں سے فرق ہے۔ اولاً تو آئینہ میں صورت دیکھنے سے وہ تصویر مقصود نہیں بلکہ اپنے چہرہ کے نقائص و عیوب یا خوبیاں معلوم کرکے نقائص کو دور کرنا ہے۔ لہٰذا اس کو تصویر سازی کہنا ہی بے جا ہے۔ بخلاف فوٹو کے کہ اس میں صورت ہی مقصود ہے۔ دوم آئینہ کی صورت کو بقا نہیں۔ جہاں مقابل سے ہٹایا۔ صورت غائب ہوگئی۔ فوٹو کی صورت باقی ہے اور باقی رہنے والی صورت کشی حرام ہے۔ سوم اگرچہ فوٹو میں صورت خود بخود آتی ہے۔ لیکن اس کو باقی رکھنے کے لئے عمل کیا جاتا ہے اس کو صاف کیا جاتا ہے۔ جو کہ ہمارے فعل ہیں۔ چہارم۔ فوٹو کے یا تصویر کے حرام ہونے میں حکمت یہ ہے کہ مشرکین اس کی پرستش کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کا بنانا منع کردیا گیا اور چونکہ غیر جاندار کی پرستش نہیں ہوتی۔ اس کی اجازت دی گئی۔ فوٹو اور قلمی تصویر کی یکساں پرستش کی جاتی ہے بلکہ فی زمانہ مشرکین فوٹو ہی کی زیادہ پرستش کرتے ہیں۔ آئینہ کی صورت نیز دھوپ یا چاندنی کا سایہ پوجا نہیں جاتا لہٰذا فوٹو حرام ہے کہ اس میں حکمت ممانعت موجود ہے۔ اور آئینہ وغیرہ میں صورت دیکھنا جائز کہ اس میں علت حرمت مفقود۔ اسی لئے پیپل کے درخت یا آفتاب یا چاند یا آگ کی تصویر حرام نہیں۔ کہ اگرچہ یہ تمام چیزیں پوجی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کی اصل کی پرستش ہے۔ لیکن ان کی تصویر کی پرستش نہیں۔ اگر جاندار تصویر کا سر غائب کردیا تو اب اس کا رکھنا مضر نہیں۔ نیز اگر جاندار کے صرف جسم کی تصویر قلم سے بنائی سر نہ بنایا تو جائز اور صرف سر و چہرہ کا نقش بنایا تو حرام کہ صرف سر و چہرہ کی پرستش ہے۔ صرف جسم کی نہیں۔ ردالمحتار میں مقطوعۃ الراس کے تحت میں ہے۔ لانہا لا تعبد بدون الراس عادۃ و قید بالراس لانہ لا اعتبار بازالۃ الحاجبین او العینین

لانہ تعبد بہ وتعظیما۔ اسی شامی میں ہے ۔ فان قیل عبد الشمس والقمر والکواکب والشجرۃ والخضر ابقلنا امینہ فلا تمثالہ ۔ پھر تصویر کی ممانعت نص سے ثابت ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کا آئینہ میں ملاحظہ فرمانا بھی نقل سے ثابت ہے ۔ کما فی الحدیث لہذا پانی اور آئینہ کی شکل کا جواز تو نص میں آگیا ۔ فوٹو کے جواز کے لئے کون سی نص ہے ۔ لہذا یہ تصویر ہی کے حکم میں داخل رہے گا ۔ تصویر کھینچنے والے کے احکام مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوگئے کہ ان کے لئے سخت عذاب ہے ۔ وہ شریعت کے مجرمے مجرم ہیں۔ ان سے قیامت میں کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں جان ڈالو۔ یہ لوگ مرتکب حرام ہیں ۔ تا وقتیکہ اس سے تائب نہ ہوں۔ ان کو امام نہ بنایا جائے ۔ نیز تصویر کھچوانا بھی اسی جرم میں داخل ہے ۔ لانہ اعانۃ علی المعصیۃ ورضاء بہ ۔ اور ضرورت شرعیہ کے موقعہ پر تو ہر جگہ مستثنیٰ رہتے ہیں کہ ۔ الضرورات تبیح المحظورات ۔ واللہ اعلم ۔

فتویٰ نمبر ۳۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ذیل کی آیات کی تحریر کردہ تفسیر درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا ۔

والشمس وضحٰہا ۔ والقمر اذا تلٰہا ۔ قسم ہے اس رخ انور کی جس کا فیض خاص وعام ہے ۔ قسم ہے اس رخ جمال کی جس کی شیدا ابر جان ہے ۔ یاایہا المزمل ۔ اے سایہ رحمت رکھنے والے سایہ جبل پر (کملی کی صورت میں) یاایہا المدثر ۔ اے سایہ رحمت رکھنے والے اسلام پر (چادر کی صورت میں) الٓمٓ ۔ الف اللہ ۔ لام جبریل میم محمد ۔

الجواب

ترجمات مذکورہ ان آیات کی تفسیر نہیں ہے بلکہ تاویلیں ہیں ۔ ان میں کسی قسم کی قباحت نہیں ۔ بالکل درست اور صحیح ہیں۔ اس قسم کی تاویلیں اور توجیہیں مفسرین کرام کرتے ہیں ۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے ۔

فقالوا مثلا فی الٓمٓ الف اللہ ولام جبریل ومیم محمد یعنی ارسل اللہ جبریل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالقرآن او الف انا واللام اللہ والمیم اعلم یعنی انا اللہ اعلم ۔ اسی طرح روح البیان میں والضحٰی والیل اذا سجٰی کی توجیہ بھی کی ہے ۔ یا اشارت ست بروی روئے حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وکنایت ست از مویہائے وے صلی اللہ علیہ وسلم

والضحیٰ رمز روئے چوں ماہ مصطفیٰ ۔ معنی والیل گیسوئے سیاہ مصطفیٰ !!!

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں دو طالب علم قیام پذیر ہیں اور مسجد مذکورہ میں ایک حجرہ ہے جو ان کو رہنے کے لئے دیا گیا ہے۔ اور طالب علمان مذکورہ کے پاس دو چارپائیاں ہیں جن کو کبھی اندر اور کبھی باہر بچھا لیتے ہیں اب ان چارپائیوں کو انہوں نے مسجد کے اندر بچھانا شروع کیا ہے اور لالٹین میں مٹی کا تیل استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اخبار بینی کرتے ہیں یہ فعل ان کا جائز ہے یا ناجائز اور ان کے اس فعل سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے یا نہ؟ از ... وغیرہ۔

الجواب

مسجدیں نماز و عبادت کے لئے ہیں۔ ان میں کوئی دنیاوی کام بلا ضرورت جائز نہیں اور اگر ضرورتاً کسی کام کی اجازت دی جائے گی تو بقدر ضرورت۔ نیز اس کا ادب و احترام بہت ضروری ہے اور مسجد میں سونا مسافر اور معتکف کے سوا کسی کو جائز نہیں ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویکرہ اکل ونوم الا لمعتکف وغریب طلباء اگر پردیسی ہوں اور دوسری جگہ سونے کا انتظام نہ ہو سکے۔ تو ان کو مسجد میں سونا جائز ہے۔ لیکن چارپائی بچھانا ضرورت سے زائد کام ہے اور مسجد کے ادب کے خلاف۔ اس لئے جائز نہیں۔ اگر کوئی مسجد میں میز و کرسی لگائے تو ضرور اسے روکا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ فعل ادب مسجد کے خلاف ہے۔ اسی طرح چارپائی کا بچھانا بھی آداب مسجد کے خلاف ہے۔ لہٰذا منع کیا جائے گا۔ اسی طرح مسجد میں مٹی کا تیل جلانا بھی جائز نہیں کہ مٹی کا تیل بدبودار چیز ہے۔ مسجد میں لانا جائز نہیں۔ لہسن و پیاز کھا کر جس کے منہ سے بو آتی ہو مسجد میں آنا منع ہے شامی میں ہے۔ الحدیث الصحیح فی النہی عن قربان اکل الثوم والبصل المسجد۔ اسی میں ہے۔ ویلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل ما لہ رائحۃ کریہۃ ماکولا او غیر ماکول۔ ہاں اگر کسی صورت سے مٹی کے تیل کی بدبو اڑا دی جائے یا اس طرح لیمپ وغیرہ میں بند کیا جائے کہ اس کی بدبو ظاہر نہ ہو تو جائز ہے۔ مسجد میں اخبار بینی اگر دینی ضرورت کی وجہ سے ہو تو جائز ہے ورنہ منع کہ یہ دنیاوی فعل ہے۔ جیسے دنیا کی باتیں مسجد میں کرنا منع ہے اسی طرح یہ بھی منع۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حج لائن پر جو جہاز چلتے ہیں وہ سندھیا کمپنی کے ہیں یہ ایک ہندو کمپنی ہے اور اس نے جدہ میں اپنا دفتر قائم کیا ہے۔ زمانہ حج میں اس کے دفتر کلکتہ اور بمبئی وغیرہ میں بھی ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کی اسلام دشمنی جس حد پر پہنچ چکی ہے وہ ظاہر ہے کہ انہیں مسلمانوں کی کسی تباہی پر

بھی صبر نہیں اور وہ محروم مسلمانوں کو برباد کرنے کی سرگرم کوششوں میں مشغول ہیں۔ ان کی زبانوں سے ان کے ناپاک ارادوں کا اظہار بھی ہو چکا ہے۔ کہ معاذ اللہ کعبہ معظمہ پر آدم کا جھنڈا گاڑیں گے۔ اور اپنے دین باطل کی تبلیغ کریں گے۔ عدن میں پنجہ پہنچ چکے ہیں۔ اور ان کی سامراجی کاروائی کے مسلمانوں کا اسی طرح شکار کر رہی ہے جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کو برباد کر چکی ہے۔ عراق میں بھی پنجہ پہنچ گئے ہیں۔ اور اپنے دین باطل کی دھن میں ہیں۔ ان حالات میں اندیشہ ہے کہ اگر سندھیا کمپنی کے جہازوں میں حاجی سفر کرتے رہے اور جدہ ان کا مستقر بن گیا تو عنقریب عرب ان کی سامراجی کاری سے بہت جلد تباہ ہو جائیں گے اور ان کی املاک واراضی اور بلاد مقدسہ کی زمینیں ان کے قبضہ میں آ جائیں گی۔ اور جس طرح فلسطین میں یہودیوں کی آبادی عربوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔ اس سے بدرجہا زیادہ مصیبت حجاز کی سرزمین میں رونما ہوگی۔ ان خطرات کے پیش نظر مسلمانوں کو حرمین الشریفین وغیرہ سندھیا کمپنی کے جہازوں میں سفر کرنے کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاد عرب خصوصاً حجاز مقدس کی سرزمین پاک زادھا اللہ تعالیٰ عزۃ وعظمۃ وصانہا عن کل فتنۃ وحفظ اہلہا من شر کل ما کان ویکون بجاہ حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و مشرکین سے محفوظ رکھنا اور ان کی دست برد سے بچانا بہت اہم ہے اور اہم واجبات میں سے ہے کیونکہ کفار و مشرکین نجس ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ انما المشرکون نجس اور ملک عرب خصوصاً حجاز مقدس پاک اور مرکز اسلام ہے۔ ان نجس لوگوں کے خطرۂ تسلط سے اس سرزمین کو بچانا بہت اہم ہے۔ نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری عہد مبارک میں جزیرہ عرب کو کفار و مشرکین سے پاک کرنے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ صحیح مسلم و صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ لما اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ قال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب۔ اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی مات فیہ لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب۔ اسی طرح سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی موطا میں حضرت عمر بن عبد العزیز سے روایت کی۔ بلغنی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یبقین دینان بجزیرۃ العرب۔ مسلم نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاخرجن الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب حتی لا ادع فیہا الا مسلما۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین سے جزیرہ عرب کو پاک کرنے کا تاکیدی حکم دیا۔ اسی فرمان عالی شان پر عمل کرتے ہوئے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلاد عرب سے تمام کفار کو

نکال دیا حتیٰ کہ ملک عرب پر صرف مسلمان ہی رہ گئے۔ مؤطا امام محمد میں ہے۔ فاخرج عمر من لم یکن مسلماً من جزیرۃ العرب بهذا الحدیث۔ فتح القدیر میں ہے۔ قال ابن شہاب ففحص عمر ذالک حتیٰ اتاه الیقین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب فاجلی یہود خیبر واجلی یہود نجران وفدک یہاں تک کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار تاجروں کو بھی مدینہ منورہ میں تین دن سے زائد ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔ اسی مؤطا میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ ان عمر ضرب للنصاریٰ والیہود والمجوس بالمدینۃ اقامۃ ثلث لیال یتسوقون ویقضون حوائجهم ولم یکن احد منهم یقیم بعد ذالک۔ درمختار میں ہے۔ ویمنعون من استیطان مکۃ والمدینۃ لانهما من ارض العرب قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یجتمع فی العرب دینان ولو دخل للتجارۃ جاز ولا یطیل۔ ردالمحتار میں ہے۔ افاد ان الحکم غیر مقصور علی مکۃ والمدینۃ بل جزیرۃ العرب کلها کما قدمناه۔ بحرالرائق میں ہے۔ وفی ارض العرب یمنعون من ذالک فی امصارها وقراها لقوله علیہ السلام لا تجتمع دینان فی جزیرۃ العرب وشمل کلامه المواضع کلها۔ اسی بحر میں ہے۔ وفی التتارخانیۃ یمکنون من المقام فی دار الاسلام۔ فی روایۃ عامۃ الکتب۔ الا ان یکون من امصار العرب وارض الحجاز۔

ان احادیث صحیحہ وعمل صحابہ کرام وعبارات فقہائے کرام سے کالشمس والامس قطعی طور پر معلوم ہوا کہ ملک عرب کو کفار ومشرکین سے محفوظ رکھنا شرعاً بہت ضروری ہے۔ اگر وہاں پہلے سے آباد ہوں تو ان کو نکالنا مسلمانوں پر واجب ہے چہ جائیکہ ان کے پہنچنے کے اسباب کو تقویت دینا اور اس کا ذریعہ بننا۔ اب چونکہ سندھیا کمپنی کے جہازات سے حاجیوں کو سفر کرنے میں وہ زبردست خطرات موجود ہیں۔ جو مستفتی نے بیان کئے۔ اس لئے مسلمانوں کو کسی طرح درست نہیں کہ اس میں سفر کرکے اس کمپنی کو تقویت دیں۔ اور مشرکین کو عرب میں قدم جمانے اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے جال پھیلانے میں مدد ومعاون ثابت ہوں۔ جب کہ ہم اپنی ذاتی جائیداد واملاک کو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رکھتے ہیں اور اس کے لئے ہر کوشش عمل میں لاتے ہیں۔ تو حجاز مقدس کی زمین پاک کی حفاظت اور اس کو خطرات سے بچانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے لئے ہمارے اہم فرائض میں سے ہے اس میں کوتاہی کرنا اور تغافل برتنا کسی طرح جائز ہو سکتا ہے۔ نہ قرین عقل ودانش ہے۔

سندھیا کمپنی کے جہازات سے یا جس سے یہ خطرات ہوں سفر قطعاً ترک کر دینا چاہئے اگرچہ اس میں بہ نسبت اور جہازوں کے زیادہ آسائش بھی ہو۔ کیونکہ اپنی آسائش کی غرض سے سرزمین مقدس کے لئے خطرات کو گوارا نہیں کیا

جا سکتا۔ اگر مسلمانوں نے سندھیا کمپنی کے جہازات میں سفر ترک نہ کیا اور اس کو طاقت پہنچاتے رہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ انہوں نے خود سرزمین پاک میں ہندوؤں کے قدم جمائے اور انہیں تبلیغ کفر و تخریب ملک پاک پر مدد دی۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

ان حالات میں مناسب تو یہ ہے کہ مسلمان اپنی جہاز کمپنی قائم کرکے اسی میں سفر کریں کہ اس عمل سے خطرات سے بھی امن ہوگا اور ایک مفید تجارت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آ سکے گی جس وقت تک اپنی جہاز کمپنی تیار نہ ہو اس وقت تک مغل لائن سے سفر کریں تاکہ سندھیا کمپنی ناکام ہو اور ہندوؤں کے منصوبوں کو وجود میں آنے کا موقع نہ ملے۔ اور مغل کمپنی میں بھی اگرچہ غلبہ نصاریٰ کا ہے۔ اور مسلمانوں کے حصے بہ نسبت ان کے کم ہیں۔ لیکن یہ کمپنی مدت سے کام کر رہی ہے اور ایک زمانہ کے تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے تجارتی منافعوں کے علاوہ اس طرف نظر نہیں ڈالتی جو ہندوؤں کا مطمح نظر ہے۔ اور خطرات اور اندیشہ سندھیا کمپنی سے ہیں۔ اس کے وجوہ مغل کمپنی سے نہیں پائے جاتے لہٰذا بقاعدہ اذا ابتلیت ببلیتین فخذ اھونھما بحالت موجودہ سفر حج مغل کمپنی میں کیا جائے اور مسلمانوں کو سندھیا کمپنی کے جہازوں میں سفر کرنے سے بکوشش روکا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

احمد یار خان نعیمی عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں گرمیوں کے موسم میں عام طور پر لوگ مساجد کی چھتوں پر چڑھ کر نماز پڑھتے ہیں اور جماعت ہوتی ہے۔ کیا مسجدوں کی چھت پر نماز کے لئے چڑھنا بلا کراہت جائز ہے؟ اور گرمی اس کے لئے عذر ہو سکتی ہے۔ بعض لوگ اس مسئلہ میں ضد کرتے ہیں۔ اس لئے کتاب کا حوالہ مع عبارت تحریر فرمایئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر مسجد کے اوپر والے حصہ پر عمارت نہ ہو اور چھت محض سقف مسجد ہو تو اس پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں مسجد کی بے ادبی ہے۔ نہ نیچے حصہ مسجد میں گرمی ہونا عذر نہیں۔ ہاں اگر اس حصہ میں گنجائش نہ رہی اور آدمی زیادہ ہیں تو چڑھنا جائز ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں بحث تراویح میں ہے۔ وکذا الوصلی علی سطح المسجد فی شدۃ الحر ای یکرہ لقولہ تعالیٰ قل نار جہنم اشد حرا لو کانوا یفقھون۔ کبیری میں قنیہ سے نقل کیا۔ امام یصلی التراویح علی سطح المسجد اختلف فی

کراہیتہ والا فضل ان لا یصلی علیہ عند العذر فکیف بغیرہ۔ عالمگیری کتاب الکراہیت میں ہے۔ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلو فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ۔

درمختار میں ہے۔ ثم رأیت القہستانی نقل عن المنیۃ کراھۃ الصعود علی سطح المسجد و یلزمہ کراھۃ الصلوٰۃ ایضا فوقہ۔ شامی کتاب الصلوٰۃ باب المسجد۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ مسجد کی چھت پر چڑھنا اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں مسجد کی بے ادبی ہے۔ ضرورت شدیدہ کے وقت الضرورات تبیح المحظورات کی بنا پر جائز ہوگا۔ گرمی سے بچنا راحت حاصل کرنا ہے یہ ضرورت نہیں جس سے ایک ممنوع شے کو مباح کیا جا سکے۔ لہٰذا گرمی سے بچنے کے لئے چڑھنا ممنوع ہے۔ اور اگر چھت کی مرمت وغیرہ کرنا ہے یا کہ مسجد میں نماز کی جگہ بالکل نہ رہی۔ تو جائز ہے۔ کراہت اس صورت میں ہے۔ جب کہ مسجد کی چھت پر کوئی عمارت نہ ہو کیونکہ اب وہ جگہ محض چھت ہے۔ لہٰذا اس پر چھت کے احکام جاری ہوں گے۔ اور بصورت دیگر وہ جگہ اوپر کی عمارت کا صحن وغیرہ ہے۔ اس لئے اس جگہ پر جانا محض چھت پر جانا نہیں بلکہ بالائی منزل کے صحن وغیرہ میں جانا ہے۔ لہٰذا جائز ہے۔ اس لئے کہ از تحت الثریٰ تا سماء مسجد مسجد ہے درمختار لانہ مسجد الی عنان السماء۔ اس کے باوجود مسجد کے نیچے تہ خانہ مصالح مسجد کے لئے اور اوپر اس کے بالاخانہ یا امام کے رہنے کے وقت تعمیر مسجد مکان بنانا جائز ہے۔ بحر میں کتاب الوقف میں احکام المسجد میں ہے۔ بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفا لمصالح المسجد فانہ یجوز۔ اسی مقام پر ہے۔ لو بنی بیتا علی سطح المسجد یسکن الامام فانہ لا یضر لکونہ مسجدا لانہ من المصالح اسی میں ہے اذا بنی مسجدا او بنی غرفۃ وھو فی یدہ فلہ ذالک۔ درمختار میں ہے۔ واذا جعل تحتہ سردابا لمصالحہ جاز کمسجد القدس۔ اسی میں ہے۔ لو بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح۔ ردالمحتار میں ہے۔ بخلاف ما اذا کان السرداب و العلو موقوفا لمصالح المسجد بنو کسرداب بیت المقدس۔ تو اب اگر مطلقاً سطح مسجد پر چڑھنا ہر حال میں مکروہ ہو تو تہ خانہ والی مسجد کے فرش پر آنا منع ہوگا کیونکہ یہ جگہ تہ خانہ کی چھت ہے۔ اور امام کو اس رہنے کے مکان میں جانا منع ہوگا کہ یہ جگہ سقف مسجد ہے حالانکہ یہ دونوں امر جائز۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مسجد کی خالی چھت پر چڑھنا منع اور اگر اوپر عمارت ہو تو جائز۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے سسر سے بیوی کی رخصتی مانگی سسر نے کہا کہ دو مہینے کے بعد رخصتی ہوگی۔ رخصتی مانگنے والا نشہ میں تھا۔ ایک دوسرے شخص سے اس نے کہا کہ ہم نے جواب دے دیا میری جہیز دلوا دیجئے۔ اس کے بعد جو پھر اس نے اپنے سسر سے کہا کہ میری جہیز دے دیجئے۔ ہم نے طلاق دے دیا۔ اس کے بعد اس نے ایک خط لکھا مجھ کو کہ ہم نے اپنی بیوی کو نشہ میں طلاق دے دیا ہے اب ہم رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے دریافت کرتے ہیں کہ صورت مسئولہ میں طلاق ہوا یا نہیں۔ اگر ہوا تو رجوع ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر رجوع ہو سکتا ہے تو اس کی کیا ترکیب ہے۔ مفصل لکھیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں ایک طلاق واقع ہوگئی کیونکہ نشہ والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وفی التاتارخانیہ طلاق السکران واقع اذا سکر من الخمر والنبیذ وھو مذھب اصحابنا۔ اب اگر اس کی عورت پہلے اپنے شوہر کے پاس رہ چکی ہے تو طلاق رجعی واقع ہوئی کہ عدت کے اندر اندر اگر چاہے بغیر دوبارہ نکاح کئے ہوئے رجوع کر سکتا ہے۔ درمختار میں ہے۔ ان الصریح نوعان صریح رجعی وصریح بائن فالاول ان یکون بحروف الطلاق بعد الدخول۔ رجوع کرنے کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ منہ سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا اپنی بیوی سے اور بہتر یہ ہے کہ اس پر گواہ بنائے اور بیوی کو خبر بھیجے۔ درمختار میں ہے۔ ھی استدامة الملک القائم فی العدة بنحو راجعتک ورددتک الی ان قال وندب اعلامھا وندب الاشھاد بعدلین۔ ردالمحتار میں ہے۔ فالسنی ان یراجعھا بالقول ویشھد علی رجعتھا ویعلمھا۔ لیکن اگر وہ بی بی اس شوہر کے پاس بالکل نہیں آئی۔ صرف نکاح ہی ہوا ہے یا آئی تھی مگر طلاق دیئے ہوئے بہت دن ہو گئے کہ عورت کی عدت گذر گئی۔ تو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ اگر عورت اس مرد کے پاس آ چکی ہے اور طلاق کو دیئے ہوئے اتنا عرصہ نہیں گذرا کہ جس میں عدت گذر جائے تو رجوع کر سکتا ہے۔ رجوع کے لئے اتنا منہ سے کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اپنی اس بیوی سے رجوع کیا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔

(۱) عشرہ محرم میں تعزیہ داری جو کہ ہندوستان میں رائج ہے جس میں تعزیہ و علم و ماتم و نوحہ وغیرہ ہوتا ہے اہلسنت کے نزدیک جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۲) شریعت مطہرہ نے عشرہ محرم کس طرح گزارنے کا حکم دیا ہے؟

(۳) کیا شوکت اسلام کے لئے تعزیہ داری جائز ہے؟

(۴) اس کی اصلیت کیا ہے اور ابتداء کیونکر اس ملک میں ہوئی؟

الجواب

فی زمانہ مروجہ تعزیہ داری بہت سے محرمات اور خرافات پر مشتمل ہے اس لئے یہ مروجہ تعزیہ داری ناجائز ہے۔

(۱) اکثر تعزیوں میں جانور براق اور پری وغیرہ کی تصاویر ہوتی ہیں اور تصویر بنانا اور تصویر کو حرمت و احترام سے رکھنا دونوں ناجائز ہیں۔ بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمائی۔ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صورۃ صورہا نفسا فیعذبہ فی جہنم۔ انتہی بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت فرمایا۔ ان اصحاب ہذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لہم احیوا ما خلقتم۔ انتہی بخاری و مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا۔ اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔ فان کنت لا بد فاعلا فاصنع الشجر وما لا روح فیہ

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تصویر سازی سخت حرام اور باعث عذاب الٰہی ہے۔ نیز بخاری و مسلم میں سیدنا ابو طلحہ سے روایت کیا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا تصاویر۔ نیز سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یترک فی بیتہ شیئا فیہ تصاویر الا نقضہ۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ تصویر رکھنا (خصوصاً بعزت و احترام) منع ہے۔

(۲) بہت پیسہ خرچ کر کے تعزیہ بنایا جاتا ہے۔ پھر اس کو توڑ پھوڑ کر دفن کر دیا جاتا ہے جو مال کا ضائع کرنا اور اسراف ہے جو حرام ہے قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا۔

وقال نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قیل وقال اسراً وکثرۃ السوال واضاعۃ المال۔ (۳) بہت سی جگہ تعزیہ کے ساتھ سینہ کوبی اور نوحہ ہوتے ہیں جو سخت غضب الٰہی کا باعث اور بدترین جرم ہے۔ ابوداؤد میں سیدنا ابوسعید خدری سے روایت کیا۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحۃ والمستمعۃ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والوں اور نوحہ کو (بہ رضا) سننے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مسلم و بخاری نے روایت کی۔ لیس منا من ضرب الخدود و شق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیۃ۔ ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تتبع جنازۃ معھا رانۃ۔ نیز نوحہ اور دیگر طریقہ سے اظہار بے صبری کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم تو فرماتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ نیز فرماتا ہے۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ قرآن پاک تو مصیبت کے وقت صبر اور نماز کا حکم دے اور ہم بے صبری کا اظہار کریں۔

(۴) تعزیہ کے ساتھ باجے گاجے ہوتے ہیں۔ اور باجہ بجز چند موقعوں کے دوسری جگہ حرام ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ مع کل مزمار شیطٰن نیز در مختار میں ہے۔ استماع صوت الملاھی کضرب القصب ونحوہ حرام لقولہ علیہ السلام استماع الملاھی معصیۃ والجلوس علیھا فسق والتلذذ بھا کفر ای بالنعمۃ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں صوت اللھو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات۔ یعنی گانے باجے کی آواز دل میں نفاق پیدا کرتی ہے۔

(**نوٹ**) اگر غور کیا جائے تو تعزیہ مروجہ یزیدیوں کے فعل کی نقل اور ایک طرح کی اظہار خوشی ہے۔ اس لئے کہ یزیدیوں نے سید الشہداء شہید کربلا رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر شہر بشہر پھرایا اسی کی نقل یہ تعزیہ داری گویا کہ علم بنا کر اس کو گشت کرایا گیا۔ یزیدیوں نے اس اپنی ظاہری فتح کی خوشی میں کھیل کود اور دیگر خرافات کام کئے۔ ان جہلاء یا بے دینوں نے ماتم کے نام سے اچھل کود کر ان کی نقل اتاری۔ غرضیکہ یہ طریقہ اظہار غم کا عقلاً ونقلاً کسی طرح درست نہیں۔ حقیقت میں اگر یہ اظہار غم کا طریقہ ہوتا تو ہم سے زیادہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ و دیگر بیماندگان اہل بیت کو صدمہ و غم ہوا۔ ان سے ضرور منقول ہوتا۔ حالانکہ کہیں ثابت نہیں۔ کہ ان حضرات نے کسی طرح کھیل کود اور باجے بجا کر شہروں میں گشت کیا ہو۔ بہرحال یہ فعل یزید کی نقل ہے۔ نہ کہ فعل سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا۔ روافض جو کہ حقیقت میں تو قاتلین سیدنا امام حسین علیہ السلام ہیں۔ اور یزیدیوں کی یادگار گریہ تعزیہ

کر کے اپنے کو محب اہل بیت کہتے ہوں۔ مع ہذا خود یزید کی خوشی میں ان افعال شنیعہ کے مرتکب ہوتے ہوں۔ ایک سنی غلام اہل بیت و صحابہ کرام کس طرح ان افعال کا مرتکب ہو کر یزیدیوں میں شامل ہو سکتا ہے۔

(۲) عشرہ محرم میں عبادات کی کثرت کریں۔ خدا تعالیٰ توفیق دے تو پورے دس دن ورنہ کم از کم نویں و دسویں کا روزہ رکھیں۔ اس زمانہ میں ذکر سید الشہداء کی مجالس منعقد کر کے صحیح روایات واقعہ کربلا پڑھیں کہ صالحین کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ بکثرت سبیلیں لگائیں۔ کھچڑا حلیم وغیرہ بنا کر حضرت سید الشہداء کی جناب میں ایصال ثواب کریں۔ بکثرت صدقہ و خیرات کر کے ان کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچائیں۔

(۳) دور حاضر میں مصلحت یہ ہے کہ تعزیہ داری سے مذکورہ بالا محرمات اور افعال شنیعہ کو نکال دیا جائے۔ اور اصل جلوس باقی رکھا جائے۔ کیونکہ اس اجتماع سے اور خصوصاً جلوس وغیرہ ودیگر ہنر کے اظہار سے کفار کے قلوب پر مسلمانوں کی ہیبت اور اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر تعزیہ داری میں سے وہ امور جو اوپر مذکور ہوئے نکال دیئے جائیں اور صرف روضہ پاک کا نقشہ بنایا جائے تو اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے ثابت ہوا۔ بلکہ اس کا رکھنا باعث برکت ہے۔

(۴) ایک تاریخی سوال ہے جس کا تعلق فتویٰ سے نہیں۔ مشہور یہ ہے کہ تیمور لنگ کے زمانے سے اس کی ابتداء ہوئی۔

فتویٰ نمبر ۳۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ خدا فرما چکا قرآن کے اندر میرے محتاج ہیں پیرو پیغمبر۔ بکر نے روک دیا کہ کلمہ کفر یہ ہے۔ عام مجلس میں مناظرہ کرتا ہے قرآن پاک میں محتاج کا لفظ پیرو پیغمبروں کے واسطے مخصوص کہیں نہیں آیا۔ بلکہ خطاب کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ محتاج کا لفظ نہایت گستاخانہ ہے۔ باقی ہر مخلوق خدا کی محتاج ہے۔

(۱) کیا زید اپنے عقیدہ اور قول میں سچا ہے؟ اور کوئی آیت قرآن پاک میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہو میرے محتاج ہیں پیرو پیغمبر۔

(۲) کیا بکر اپنے قول و عقیدہ میں سچا ہے اور محتاج کا کلمہ کفر یہ ہے؟ اور قرآن پاک میں کس آیت کے ترجمہ میں محتاج کا لفظ ہے۔ مدلل جواب عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔ از ردولی شریف ضلع بارہ بنکی

الجواب

زید بے شک اپنے قول میں کاذب محض ہے قرآن کریم پر بہتان باندھتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے ——

مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ ۔ جو شخص کسی ایسی بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے جو حضور نے نہ فرمائی ہو وہ جہنمی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حدیث گھڑنا گناہ ہے۔ زید ایک مقصد بات گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ نہ تو قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں جو زید کہتا ہے اس لئے کہ خاص پیر و پیغمبر کے ذکر کے ساتھ محتاج ہونا قرآن کریم میں مذکور نہیں اور نہ جس مقصد سے زید کہتا ہے وہ مقصد قرآن سے حاصل۔ اس لئے کہ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ تمام مخلوق خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے خدا کے نیاز مند ہیں۔ کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں۔ اس مقصد کو آیت اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ میں بیان فرمایا۔ یعنی شان بندگی میں تم سب کے سب خدا کے نیاز مند ہو۔ لیکن زید اس مقصد سے نہیں کہتا۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی خدا داد قدرت و ملکیت و حاجت روائی خلق کا انکار کرے اور ان کو اپنی طرح کا محتاج اور مجبور محض بندہ بتائے اور ان سے مرادیں مانگنے کو روکے۔ جیسے اگلے شعر میں اس طرح کہا ہے ؎

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے ٭ جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

اور جیسے اس کے پیشوا اسمٰعیل نے تقویۃ الایمان میں کہا۔ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا بھی مالک و مختار نہیں۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ انبیاء کی اپنے بھائی کی سی عظمت کرے۔ یہ مضمون نہ قرآن میں ہے نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم تو انبیاء کرام کی عظمت اور خداداد قدرت اور ملکیت کے خطبے فرما رہا ہے۔ اور ہم کو بتا رہا ہے کہ تم سب انبیاء کرام کے محتاج ہو ان کی عظمت اور ان کو اپنا مثل نہ سمجھنے کو داخل فی الدین قرار دے رہا ہے۔ اس صورت میں اگر وہ ہماری طرح محتاج ہیں تو آیات قرآنیہ میں تعارض ہوگا۔ اور ہم اور وہ مرتبہ میں برابر ہو جائیں گے۔ قرآن کریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ارشاد فرماتا ہے۔ وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھًا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتا ہے۔ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ ۔ اللہ و رسول نے ان کو اپنے فضل سے مالدار کر دیا۔ معلوم ہوا کہ رسول ایسے غنی ہیں کہ اشارۂ چشم میں لوگوں کو غنی فرما دیتے ہیں۔ فرماتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجرم و گنہگار اپنی مغفرت میں حضور کے محتاج ہیں کہ شفاعت فرما دیں تو گناہ معاف ہوں۔ غرضکہ ہر طرح ثابت ہوتا ہے کہ تمام عالم انبیاء کا محتاج ہے اور انبیاء تمام مخلوق کے محتاج الیہ۔ قرآن کریم فرماتا ہے ــ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ۔ آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ فرماتا ہے۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا ۔ ہم آپ کے چہرہ انور کے آسمان کی طرف اٹھنے کو دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں۔ جسے آپ چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جو مرضی محبوب ہوتی ہے وہ مرضی الٰہی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ زید کا قول محض باطل اور یعنی انبیاء پر شرک کا بے جا عذر کرنا اعتراض نہایت حق اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم

فتویٰ نمبر ۴۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نماز کا پابند نہیں بلکہ نماز قضا کر دیتا ہے اور مقتدیوں کو یہ معلوم نہیں بلکہ بعض کے علم میں ہے۔ زید جمعہ کی نماز پڑھانے جایا کرتا ہے۔ تو اس صورت میں وہ مقتدیوں کو اس کی حالت سے مطلع کر دے یا نہیں؟

(۲) زید کے ہاتھ پر چوٹ لگی ہے جس سے کان تک ہاتھ نہیں پہنچتا تو زید کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

از مراد آباد

الجواب

جو شخص مذکور امام کے اس عیب سے واقف ہو۔ وہ ایسے شخص کو اپنا امام نہ بنائے کہ یہ شخص تارک صلوٰۃ فاسق ہے۔ اور فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے۔ در مختار میں ہے۔ ویکرہ تنزیہا امامۃ عبد، واعرابی وفاسق۔ لیکن جو لوگ کہ اس امام کے اس عیب سے واقف نہ ہوں۔ ان پر اس کے فسق کو ہرگز ظاہر نہ کرے کہ یہ غیبت ہے اور مسلمان کی غیبت کرنا اور کسی مسلمان کے عیب ظاہر کرنا بہت بُرا گناہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ۔ وکما تکون الغیبۃ باللسان تکون بالفعل وکل ما افہم منہ المقصود فہو داخل فی الغیبۃ وہو حرام [illegible] امام مذکور کی امامت سے واقف ہوں۔ ان کی نماز بلا کراہت اس کے پیچھے جائز ہے۔ لانہ لیس بفاسق معلن۔ ان اس فاسق امام کو خفیہ تنبیہ کرے کہ تم اس گناہ سے باز آؤ ورنہ تمہارے عیب ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ ممکن ہے کہ وہ اس خوف سے اپنے گناہ سے توبہ کر لے کیونکہ فاسق کو فسق سے روکنے کی ایک عمدہ تدبیر ہے۔ جس کا ہاتھ ٹوٹا ہوا ہو۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے اگر لوگ کراہت کرتے ہوں تو اس کو امام نہ بنانا چاہیے۔ اور اگر لوگ راضی ہوں تو اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے۔ شامی میں ہے۔ ومن لہ ید واحدۃ فتاوی الصوفیۃ عن التحفۃ والظاہر ان العلۃ النفرۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض مقامات میں پشت مسجد میں دروازہ کھول کر دروازہ کے سامنے چبوترہ بنا کر جنازہ چبوترہ پر رکھا جاتا ہے اور امام و مقتدی مسجد میں کھڑے ہو کر نماز جنازہ ادا کرتے ہیں۔ آیا اس

طریقہ پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو بلا کراہت یا کراہت۔ ازمحمد یوسف (مراد آباد)

الجواب

مسجد جماعت میں بلا مجبوری نماز جنازہ پڑھنا ہر طرح مکروہ ہے۔ خواہ جنازہ مسجد سے باہر ہو۔ اور کل یا بعض نمازی مسجد میں یا جنازہ مسجد میں ہو اور نمازی کل خواہ بعض مسجد سے باہر ہوں یا جنازہ اور نمازی دونوں مسجد میں ہوں۔ ہر حال نماز جنازہ مسجد جماعت میں مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ وصلوٰۃ الجنازۃ فی المسجد الذی تقام فیہ الجماعۃ مکروھۃ سواء کان المیت والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد و القوم فی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقی فی المسجد او المیت فی المسجد والامام والقوم خارج المسجد وھو المختار ولا تکرہ بعذر المطر ونحوہ۔ درمختار میں ہے۔ وکرھت فی مسجد جماعۃ ھو ای المیت فیہ وحدہ او مع القوم واختلف فی الخارجۃ عن المسجد وحدہ او مع بعض القوم والمختار الکراھۃ مطلقاً۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان غفرلہ

فتویٰ نمبر ۴۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان سلطان جمعہ کی ادائیگی کے لئے ضروری شرائط میں سے ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ موجودہ زمانہ میں جب کہ مسلم سلطان یا اس کا نائب نہیں اور مصر کی تعریف میں بھی اختلاف ہے۔ جمعہ پڑھتے ہیں۔ وہ بعد جمعہ ظہر ادا کریں یا نہ۔ اور اگر ادا کریں۔ تو نیت مستحب سے ادا کریں یا نیت واجب سے۔ اور اگر مستحب ہو۔ تو تمام لوگ ادا کریں یا خاص خاص۔ از نذیر علی لالہ (گوجرانوالہ)

الجواب

صحت جمعہ کے لئے سلطان اسلام وغیرہ کی موجودگی شرط نہیں۔ بلکہ کسی مسجد میں اگر جمعہ قائم کرنا ہو۔ تو اس کے لئے حاکم والی مسلمان کی اجازت لینا ضروری ہے۔ خواہ وہ والی بادشاہ اسلام ہو۔ یا بادشاہ کا کوئی مقرر کردہ حاکم یا بصورت بادشاہ اسلام کے نہ ہونے کے مسلمان کسی کو والی مان لیں۔ درمختار میں۔ والثانی السلطان او مامورہ باقامتھا۔ ردالمحتار میں ہے۔ فلو کان الولاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین۔ بحر میں ہے۔ ان اذن السلطان او نائبہ انما ھو شرط لاقامتھا عند بناء المسجد ثم بعد ذالک لا یشترط الاذن لکل۔ عالمگیری میں ہے۔ بلاد علیھا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی

المسلمین۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اقامت جمعہ کے لئے اذن والی اسلام شرط ہے۔ صحت جمعہ کے لئے والی اسلام کی موجودگی ضروری نہیں۔ لہٰذا فی زمانہ ہندوستان میں نماز جمعہ جائز ہے۔ مگر اس کا خیال رہے کہ جب کسی مسجد میں جمعہ قائم کرنا ہو تو وہاں کے کسی ایسے عالم سے اجازت حاصل کریں جس کو مسلمان اپنا پیشوا مانتے ہوں۔ آج کل جو رواج ہوگیا ہے کہ مسجدیں اور ان میں بلا اجازت جمعہ شروع کر دیا۔ بالکل خلاف شرع ہے۔ بزازیہ میں ہے۔ ولو اجتمع العامة على تقديم رجل لم يامره القاضى والاخليفة الميت لم يجز ولم يكن جمعة وان لم يكن ثم قاضى ولا خليفة الميت فاجتمع العامة على تقديم رجل جاز لمكان الضرورة۔

(٢) احتیاط اس میں ہے کہ فی زمانہ جہال کو ظہر احتیاطی کا حکم نہ دیا جائے۔ کہ اس سے فریضہ جمعہ میں شک کریں گے۔ اور فتنہ ہوگا۔ صرف اہل علم حضرات جن سے یہ اندیشہ نہیں وہ بعد نماز جمعہ چار رکعت بہ نیت ظہر پڑھ لیا کریں بحر میں ہے۔ حتى وقع لى انى افتيت مرارا بعدم صلوتها خوفا على اعتقاد الجهلة بانها الفرض وان الجمعة ليست بفرض۔ شامی میں ہے۔ نعم ان ادى الى مفسدة لا تفعل جهارا والكلام عند عدمها ولذا قال المقدسى نحن لا نامر بذالك امثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة اليهم۔ اسی میں ہے۔ فقد ثبت انه ينبغى الاتيان بهذا لاربع بعد الجمعة۔

(٣) اگر کسی جگہ شرائط جمعہ پائے جانے میں شک ہو۔ تو بہ نیت واجب یہ رکعتیں پڑھے اور اگر بلا دلیل صرف وہم کا ہو۔ تو بہ نیت مستحب۔ شامی میں ہے۔ ذكر ابن الشحنة عن جده التصريح بالندب بحيث ان يكون عند مجرد التوهم اما عند قيام الشك والاشتباه فى صحة الجمعة فالظاهر الوجوب۔ بصورت وجوب یہ چار رکعتیں سنت جمعہ کے قائم مقام نہ ہوں گی۔ اور بصورت استحباب ہو جائیں گی۔ رد المحتار میں ہے۔ وبه يعلم انها هل تجزى عن السنة ام لا فعند قيام الشك لا وعند عدمه نعم۔ مصر کی تعریف میں اختلاف ہے۔ وجوب جمعہ میں شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ تعریف مفتی بہ یہ ہے کہ جس جگہ کوچہ بازار ہوں اور ضروریات کی چیزیں ملتی ہوں اور وہاں کوئی مجسٹریٹ یا تحصیلدار حاکم رہتا ہو۔ وہ مصر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خاں عفی عنہ۔

فتویٰ نمبر ۴۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کلمہ کفر اور سجدہ بت کی وجہ سے مرتد ہوگیا تھا اور کچھ عرصہ

تک اسی ارتداد پر قائم رہا۔ بعد برادری کی سعی اور سمجھانے پر جبراً کلمہ پڑھنے سے توبہ کی اور مسلمان ہوگیا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ وہ شخص اپنی بیوی کو جس نے اس کے مرتد ہو جانے پر اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ زبردستی بلانا چاہتا ہے۔ تو کیا وہ شخص عند الشرع اس عورت کو زبردستی اپنے مکان پر واپس لا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ عورت اب اس کے مکان پر جانے سے قطعی انکار کرتی ہے۔ اور کیا ایسی صورت میں وہ عورت جو عاقلہ بالغہ ہے اپنے اختیار سے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ مہربانی فرما کر جواب شرح اور واضح بحوالہ کتب احادیث و فقہ عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ فقط۔

الجواب

صورت مسئولہ میں شخص مذکور کا نکاح اس کے مرتد ہوتے ہی ختم ہوگیا۔ اب اس کی بیوی بعد عدت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ شخص مذکور اسلام لانے پر عورت مذکورہ کو اپنے سے نکاح کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور بغیر اذن عورت اس سے نکاح درست نہیں۔ بحر الرائق میں ہے۔ وارتداد احدهما فسخ فی الحال یعنی لا یتوقف علی مضی ثلثة قروء فی المدخول بها ولا علی قضاء القاضی۔ عالمگیری میں ہے۔ ارتداد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بغیر طلاق فی الحال قبل الدخول وبعده۔ درمختار میں ہے۔ وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ سنیہ کا عقد اس کے والد خالد نے لاعلمی کی وجہ سے زید دیوبندی سے کر دیا۔ معلوم ہونے پر عقد فاسد ہے یا نہیں؟ مع ادلہ جواب مرحمت فرمائیں۔
(۲) اگر دیوبندی سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر دے تو کیا جواب دے۔

از مدرسہ سبحانیہ مرادآباد

(ب) دیوبندی کو سلام کرنا چاہیے یا نہیں؟ مع ادلہ جواب ارسال فرمائیں۔

الجواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے یا توہین کرنے والوں کو ان کی توہین پر مطلع ہو کر مسلمان جاننے والے دیوبندی مرتد ہیں۔ درمختار میں ہے۔ والکافر بسب نبی من الانبیاء الی ان قال ومن شك فی عذابه وکفره کفر۔ عالمگیری میں ہے۔ محمد درویشک بود از قال جامہ پیغمبر ریمک بود از قال کافر

طویل الظفر فقد قیل یکفر مطلقا وقد قیل یکفر اذا قال علی وجه الاھانۃ۔ اور مرتد کا نکاح عالم میں کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ نہ مسلمان سے نہ کافر سے نہ اپنے مثل مرتد سے ابتداء نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ عالمگیری میں احکام المرتدین میں ہے۔ ومنھا ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ۔ در مختار میں ہے۔ ویبطل منہ اتفاقاً النکاح والذبیحۃ الخ

(۲) کفار کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ اور اگر جواب دے تو وعلیک کہہ دے۔ اس سے زیادہ نہ کہے۔ در مختار میں ہے۔ ولو سلم یھودی او نصرانی او مجوسی علی مسلم فلا بأس بالرد ولکن لا یزید علی قولہ وعلیک۔ یہ تو کافر اصلی کا حکم ہے۔ وہابیہ مرتدین کے احکام بہت سخت ہیں۔ ان کو بلا ضرورت جواب سلام دینا جائز نہیں اور ضرورت درپیش ہو۔ تو وعلیک کہا جائے۔ اسی طرح کفار کو سلام بلا ضرورت جائز نہیں۔ اگر ضرورت درپیش ہو۔ تو السلام علی من اتبع الھدیٰ کہہ دے۔ در مختار میں ہے۔ ویسلم المسلم علی اھل الذمۃ لو لہ حاجۃ الیہ والا کرہ۔ شامی میں ہے اذا سلم علی اھل الذمۃ فلیقل السلام علی من اتبع الھدیٰ وکذالک یکتب الیھم۔ بلا ضرورت انہیں سلام ناجائز اور تعظیماً سلام کرنا سخت جرم ہے۔ معاذ اللہ کما فی الدر المختار والھندیۃ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔

(۱) کہ ایک شادی ہونے والی ہے جس میں لڑکے والا باجہ وغیرہ کو منع کرتا ہے۔ اور بیٹی والا بغیر باجے کے شادی نہیں کرتا۔ تو بتاؤ کیا ہونا چاہیئے۔ نقارہ یا دف بجانا جائز ہے یا نہیں۔ یا نعت خوانی سے گشت۔

(۲) دولہا کے سر گشت یا مہندی لگانا۔ دولہا کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا کوئی نقصان تو نہیں ہے۔ یا برات سے ایک دن پہلے جو مردوں کی فاتحہ ہوتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں یا حضرت بی بی کی فاتحہ جس کو کونڈا بھرتے ہیں ناجائز ہے یا نہیں۔ یا عورتیں شادی سے پہلے ڈھول بجاتی اور گاتی ہیں۔ اس کی بجائے نقارہ بجانا کوئی نقصان تو نہیں ہے یا رات کو عورتوں کا گانے کے بجائے میلاد کرانا جائز ہے یا نہیں۔

(۳) جو رسمیں سسرال میں دولہا کے ساتھ برتی جاتی ہیں۔ اس کا گناہ کس پر ہوگا۔ اور جو تھی چاول یا سہاگ پیڑا دولہا سے کھیرا یا جوتی کھیلی جاتی ہے۔ اس کا کچھ وبال ہے یا نہیں۔ یا پہلی شب کو دولہا دولہن کو الگ سلاتے ہیں۔ یہ بڑی بے حیائی

کی بات ہے۔ اگر وہ بوجہ شرم کی وجہ سے اس رات کو نہ سوئے تو دلہن کی طرف سے گناہ تو نہیں ہو

(۲) یہاں دو جماعتوں سے جھگڑا ہو رہا ہے۔ تعزیہ داری کے معاملہ میں اور اشتہار بھی عشرہ کے بارے میں لگائے ہیں اور اس میں سنی و اہل حدیث کے نام بھی ہیں اور تعزیہ داری حرام سمجھنا حرام، شربت کرنا حرام، ڈھول بجانا حرام، ماتم کرنا حرام، مہندی نکالنا، تعزیہ بنانا تو رکھنا حرام۔ تو یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں۔ فقط۔ از مراد آباد

الجواب

(۱) اعلان نکاح کے لئے وقت نکاح دف و نقارہ وغیرہ کو بجانا جائز ہے بشرطیکہ لہو ولعب سے خالی ہو۔ امام احمد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے محمد ابن حاطب جمحی سے روایت کی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فصل ما بین الحلال والحرام الصوت والدف۔ نیز ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا ھذا النکاح واجعلوھا فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف۔ نیز ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا ھذا النکاح واجعلوھا فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف۔ نیز رد المحتار میں ہے۔ وعن الحسن لا باس بالدف فی العرس لیشتھر۔ نیز اسی شامی کتاب النکاح میں ہے۔ ضرب الدف فی العرس مختلف فیہ وکذا اختلفوا فی الغناء فی العرس والولیمۃ فمنھم من قال بعدم کراھۃ بضرب الدف کذا فی بحر الرائق۔ غرضیکہ بکثرت احادیث و تصریحات فقہاء سے اعلان نکاح کے لئے دف پیٹنا جائز ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس شرط سے کہ اس سے لہو ولعب مقصود نہ ہو صرف اعلان نکاح کا مقصد ہو۔ لہٰذا شرط یہ ہے کہ دف جھانج سے خالی ہو اور اس کو باقاعدہ گت کے ساتھ نہ بجایا جائے۔ صرف لکڑی وغیرہ سے بلا قاعدہ گت پیٹ دیا جائے۔ عالمگیری کتاب الکراہۃ میں ہے۔ وسئل ابو یوسف عن الدف اتکرہ فی غیر العرس بان تضرب المرأۃ فی غیر فسق للصبی قال لا اکرہ۔ واما الذی یجیٔ منہ اللعب الفاحش للغناء فانی اکرھہ۔ رد المحتار میں ہے۔ لا باس بالدف فی العرس لتشتھر وفی السراجیۃ ھذا اذا لم یکن لہ جلاجل ولم یضرب علی ھیئۃ اضطراب بحر کتاب النکاح میں ہے۔ وفی الذخیرۃ ضرب الدف فی العرس مختلف فیہ ومحلہ ما لا جلاجل لہ اما ما لہ جلاجل فمکروہ۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں حدیث یضربن بالدف کے تحت میں ہے۔ وکان دفھن غیر مصحوب جلاجل فیہ دلیل علی جواز ضرب الدف عند النکاح والزفاف للاعلان اما ما فیہ

حلالاحل فینبغی ان یکون مکروها بالاتفاق۔ اسی لئے باجوں کی حرمت بیان فرماتے وقت فقہاء مزامیر یا ملاہی فرماتے ہیں۔ در مختار میں ہے۔ استماع صوت الملاهی حرام۔ اسی میں ہے۔ استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق۔ اور اس موقعہ پر ضرب دف کا اطلاق نہیں فرماتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گت کے ساتھ دف بجانا لہو کی نیت سے ملاہی میں داخل ہو کر حرام ہے اور بغیر گت اعلان کے لئے دف وغیرہ پیٹنا جائز ہے۔ اسی طریقہ سے احادیث مخالفت مزامیر اور اعلان بالدف وغیرہ کے جائز ہونے میں تطبیق کی جاوے گی رد المحتار میں ہے۔ وهذا یفید ان آلة اللهو لیست محرمة لعینها بل لقصد اللهو منها الا تری ان ضرب تلك الآلة بعینها حل تارة وحرم اخری باختلاف النیة والامور بمقاصدها۔ شادی بیاہ عید وغیرہ خوشی کے موقعوں پر اگر بچیاں یا لونڈیاں دف بجائیں اور مباح گیت گائیں تو مضائقہ نہیں۔ کہ احادیث صحیحہ میں بچیوں کا دف بجانا عید اور سرور نکاح میں ثابت ہے۔ ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالی عنہا اپنی شادی کا بیان فرماتے ہوئے فرماتی ہیں۔ فجعلت جویریات یضربن بالدف ویندبن من قتل من آبائی مرقات میں اس کے ماتحت ہے۔ قوله جویریات قیل المراد بنات لم تبلغن بالغات حد الشهوة۔ بحر میں ہے۔ لا باس بضرب فی العرس وفی الذخیرة لا باس بالغناء فی الاعیاد لیکن یہ دف اور گیت مردوں اور شریف بالغہ عورتوں کو منع ہے۔ رد المحتار کتاب الشہادات میں ہے۔ جواز ضرب الدف منه خاص بالنساء لما فی البحر عن المعراج بعد ما ذکر انه مباح فی النکاح وما فی معناه من حادث سرور قال وهو مکروه للرجال علی کل حال للتشبه بالنساء اسی طرح بیاہ شادی کے موقعوں پر بطریقہ مروجہ عورتیں گالی گاتی ہیں۔ یہ رسم سخت حرام اور بہت سے محرمات پر مشتمل ہے۔ عورتوں کی آواز اجنبی مرد سنیں۔ یہ حرام جس پر احادیث کثیرہ واقوال فقہاء شاہد ہیں۔ دوم جو گیت گائے جاتے ہیں ان میں شہوت انگیز مضمون اور نیز بے حیائی کے اشعار ہوتے ہیں۔ لڑکی والے کے کہنے سے باجہ وغیرہ دیگر محرمات کا ارتکاب کرے۔ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کو ناراض کرے۔ در مختار میں ہے لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ اس کو سمجھا دے سمجھ جائے تو خیر ورنہ خداوند قدوس اس سے بہتر شکل عطا فرمائے گا۔ لیکن حالات زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہ فتویٰ ہے کہ اب گانا بجانا ہر حال ناجائز ہے بچیوں کو اجازت نہیں کیونکہ اگر بچیوں کو اجازت دی جائے تو بالغہ عورتیں بھی بچیوں کا نام لے کے گائیں گی۔

(۲) پھولوں کا سہرا باندھنا جائز ہے۔ یہ خوشبو کا استعمال ہے اور خوشبو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرغوب تھی۔ فرماتے ہیں۔ حبب الی من دنیاکم النساء والطیب۔ سہرے میں صرف پھولوں کو ڈورے میں ڈال دیا گیا ہے تاکہ ہاتھ نہ بگڑے اور ہاتھ میں رہنے سے پھول مرجھا نہ جائیں۔ ہاں نوشہ کے

ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا گنگنا باندھنا یا سہری ڈوریوں والا سہرا باندھنا منع ہے کہ گنگنا اور ڈوری والا سہرا شعار کفار ہے اس میں ان سے مشابہت ہے اور مہندی لگانا عورتوں سے مشابہت ہے اور دونوں ممنوع فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منھم رواہ احمد وابو داؤد عن ابن عمر اس کے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔ ان شبہ نفسہ بالکفار فی اللباس وغیرہ اوبالفساق والفجار قال الطیبی ھذا عام فی الخلق والخلق قلت بل الشعار ھو المراد بالتشبہ لاغیر۔ رد المحتار میں ہے۔ وخضاب شعر لحیۃ لایدیہ ورجلیہ فانہ مکروہ للتشبہ بالنساء۔

(۳) چوتھی وغیرہ جگہ رسوم مروجہ بہت سے حرام کاموں پر مشتمل ہے۔ یہ رسم ادا کرنے والیاں نوشہ اور تمام شرکا جو اس سے راضی ہوں اور جو اس کے روکنے پر قادر ہو کر باقاعدہ نہ روکیں وہ سب گنہگار ہیں کہ بقدر طاقت امر بالمعروف واجب ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ سرکار فرماتے ہیں۔ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فمن لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان۔ جس شخص کو خبر ہو کہ وہاں یہ رسوم ہوں گی۔ وہاں شرکت نہ کرے اور وہاں پہنچنے کے بعد یہ خرافات شروع ہوں تو وہاں سے اٹھ آوے قرآن کریم فرماتا ہے۔ فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔ درمختار میں ہے۔ فلو علی المائدۃ لاینبغی ان یقعد بل یخرج معرضا اسی میں ہے فان قدر علی المنع فعل وان لم یقدر یخرج ولم یقعد لان فیہ شین الدین محضا۔

(۴) دولہا دلہن کو علیحدہ جگہ دینا اگر لغویات اور رسم بیہودہ سے خالی ہو تو جائز ہے کہ احادیث سے ثابت ہے درمختار میں ہے۔ وھل یکرہ الزفاف المختار لا اذا لم یشتمل علی مفسدۃ دینیۃ رد المحتار میں ہے۔ الزفاف اھداء المرأۃ ھھنا اجتماع النساء کذالک فانہ لازم لہ عرفاً۔ اسی میں ہے۔ مستند لاجماع رواہ عن عائشۃ قالت زفنا امرأۃ من الانصار رد المحتار شروع کتاب النکاح میں ہے۔ واختلفو فی کراھیۃ الزفاف والمختار انہ لا یکرہ الا اذا اشتمل علی مفسدۃ دینیۃ۔

(۵) مروجہ تعزیہ داری جو یا ماتم فضول خرچی تصاویر جاندار پر مشتمل ہے ناجائز ہے۔ فی زمانہ بہتر یہ ہے کہ ان محرمات کو اس میں سے نکال دیا جائے اور نفس جلوس باقی رکھا جائے کہ اس سے مشرکین پر رعب طاری ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ میں جلوس وغیرہ کے اکھاڑے ضرور ہوں کہ یہ تیاری جہاد کا اظہار اور کفار کو مرعوب کرنے میں معاون ہے۔

کھچڑا یا شربت پر فاتحہ کر کے سبیل لگانا بہت اچھی چیزیں ہیں۔ کہ اس میں صدقات و خیرات کا ایصال ثواب ہے۔ اور اسلام کے عقائد میں سے ہے کہ صدقات و عبادات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ کما فی شرح العقائد وغیرہ اس کا انکار دشمنی بزرگان دین پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان غفرلہ

فتویٰ نمبر ۳۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں اپنے خیال میں قریب آٹھ نو برس سے عیسائی مذہب کو اچھا خیال کرتی تھی۔ جب گھر والوں کو معلوم ہوا کہ یہ عیسائی مذہب پسند کرتی ہے اور عیسائی ہوا چاہتی ہے۔ تو انہوں نے میرا نکاح جبریہ ایک بدمعاش کے ساتھ کر دیا۔ اور مجھ کو گھر میں سے باہر کسی عزیز کے ہاں تک جانے نہ دیا۔ بھائی عباد وغیرہ نے ایک سادہ دکھا کر ایک کاپی پر دستخط کرائے۔ جب میرا سر قدم ہوا تو میں بھی گرجا جا کر عیسائی ہو گئی۔ اب میں عیسائی ہوں۔ لہٰذا اب میرا نکاح جو کہ بھائی اور عباد وغیرہ نے پڑھایا تھا۔ وہ بحالت عیسائی باقی رہا یا نہیں۔ اب اس وقت میری عمر تقریباً ۲۲-۲۳ برس کی ہے۔ بینوا توجروا۔

از قدیر بیگم میگواین عیسائی مراد آباد

الجواب

سائلہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہے۔ اس کے ارتداد عیسائی ہو جانے سے نکاح نہیں اٹھا اور وہ آزاد نہیں ہوئی۔ اس کا یہ بیان کہ بھائی نے بجبر اس سے رضا حاصل کی تھی۔ یا نکاح بحالت عیسائیت ہوا قطعاً معتبر نہیں۔ کیونکہ رسوم شادی سہرا بندھوانا، مہندی لگانا، دلہن بننا، عروسی جوڑا پہننا، دولہا کے یہاں کے آئے کپڑے پہننا، اس کے یہاں کے زیور پہننا، رخصتی کے وقت ڈولے میں بیٹھنا، شوہر کے یہاں جانا، اس کے ساتھ خلوت اور تمکین یہ سب دلالت رضا ہیں۔ اور اس کے بیان کی تکذیب عالمگیری میں ہے۔ وکذا ان مکنت الزوج من نفسها بعد ما زوجها الولی فهو رضا و کذا لو طالبت بصداقها بعد العلم فهو رضا۔ عالمگیری میں ہے وکما یتحقق رضاها بالقول یتحقق بالدلالة کطلب مهرها و نفقتها و تمکینها من الوطی۔ در مختار میں ہے۔ رضا هی یکون دلالة کما ذکره بقوله وما فی معناه فی فعل یدل علی الرضا کطلب مهرها و نفقتها و تمکینها من الوطی و دخوله بها برضاها۔ رخصتی کے وقت بالعموم مجمع ہوتا ہے۔ رشتہ دار موجود ہوتے ہیں۔ تمام مراسم کی ادا ان کے سامنے ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک رسم کے وقت چھری چاقو اس کے سینہ پر رکھا گیا ہو اور قتل کی آمادگی کی گئی ہو۔ اگر رخصتی کے وقت رسوم میں سے کوئی رسم بھی بغیر جبر کے عمل میں آ گئی۔ اس سے رضا ثابت ہے۔ پھر شوہر کے یہاں جانا اور بالخصوص تمکین اور اعادہ رخصت کا ہونا سب اگلی رضا کی تائیدات ہیں۔ ان حالات میں رضا کا انکار کرنا کذب محض ہے۔ اسی طرح وقت نکاح عیسائی

ہے کا بیان ابطال نکاح میں موثر نہیں۔ بلکہ اس کا یہ اقرار اس کو اپنے ماں باپ اور ہر مورث کے ترکہ سے تو محروم کردے گا لیکن نکاح پر اس کا اثر نہ ہوگا۔ کیونکہ جس اقرار سے غیر کا ضرر ہوتا ہو وہ اقرار غیر کے حق میں معتبر نہیں۔ در مختار میں ہے۔ الاصل ان اقرار الانسان علی نفسہ حجۃ لا علی غیرہ کتاب الاقرار۔ شامی میں ہے۔ بخلاف ما اذا اقرت بالردۃ۔ معلوم ہوا کہ رفعت کے اقرار سے نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو عورت شوہر سے ناراض ہو وہ ایک ایسی جھوٹی بات بنا کر نکاح سے باہر ہو جایا کرے۔ شریعت نے ان حیلہ سازیوں کا موقع نہیں دیا۔ اسی طرح جو نکاح کر جائیں ہوگا کہ عیسائی بننے سے بھی عورت نکاح سے باہر نہیں ہوتی کہ عورت کے ارتداد سے نکاح نہیں فسخ ہوتا۔ اسی طرح اگر رہا ہے۔ در مختار میں ہے۔ وافتی مشائخ بلخ بعدم الفرقۃ بردتہا زجراً۔ بحر الرائق میں ہے۔ و بعض مشائخ بلخ ومشائخ سمرقند افتوا بعدم الفرقۃ بردتہا حسما لباب المعصیۃ و الحیلۃ للخلاص منہ۔ قاضی خاں میں ہے۔ منکوحۃ ارتدت والعیاذ باللہ حکی عن ابی القاسم الصفار انہا لا تقع الفرقۃ بینہما حتی لا تصل الی مقصودہا انتہی و الذین قالوا بالفرقۃ بارتدادہا قالوا لا یجوز لہا النکاح بزوج آخر بل تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح بالزوج الاول وعلی القاضی تجدید نکاحہا بزوجہا الاول رضیت بذلک النکاح ام لا۔ قال فی الدر المختار تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجرا لہا وعلیہا الفتوی۔ وقال فی رد المحتار فلکل قاض ان یجددہ بمہر یسیر رضیت ام لا وتمنع من التزوج بغیرہ بعد اسلامہا۔ وفی الخانیۃ وفی الروایات الظاہرۃ تقع الفرقۃ وتجبر المرأۃ حتی تسلم ویجدد النکاح سدا لہذا الباب علیہا۔ بہرحال عورت اپنے شوہر کے نکاح میں ہے اور وہ اس کو اپنے پاس رہنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اللہ پناہ میں رکھے نکاح سے نکلنے کے لئے ارتداد اختیار کرنا کیسی ناعاقبت اندیشی اور بدعقلی ہے۔ شوہر سے آزادی حاصل کرنے کے لئے شریعت کی بتائی ہوئی راہیں اختیار کی جا سکتی تھیں۔ لیکن کفر جیسی ملعون خبیث معصیت کو گوارا کرنا انتہا درجہ کی بدنصیبی ہے۔ یہ تمام اس صورت میں تھی کہ لڑکی کی رخصت ہو چکی ہو۔ اگر رخصت نہ ہوئی ہو۔ تو بھی نکاح ہو گیا۔ کہ اکراہ کے ساتھ نکاح درست ہوتا ہے۔ شامی کتاب الاکراہ میں ہے۔ وصح نکاحہ وطلاقہ۔ اسی شامی کتاب النکاح میں ہے۔ حقیقۃ الرضا غیر مشروطۃ فی النکاح لصحتہ مع الاکراہ والہزل۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتوی نمبر ۴۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں۔

(۱) بعض لوگ مالدار ہیں۔ غریبوں کو بازاری نرخ سے کچھ قیمت پر قرض دیتا ہے۔ مثلاً چاول وغیرہ کا بازاری نرخ ایک روپیہ کا سولہ سترہ سیر ہے۔ تو غریبوں کو روپیہ میں گیارہ بارہ سیر کے نرخ سے ادھار دیتے ہیں۔ اور قیمت اس ماہ اگھن و پوس میں لیتے ہیں۔ یا اس روپیہ کا فصل دھان کے وقت روپیہ کا چھ سات سیر تک کے نرخ سے لیتے ہیں یا نہیں تو جو نرخ اس وقت بازار کا ہوتا ہے۔ اس نرخ سے لیتے ہیں۔ اس کو عرف میں نکاسی کہتے ہیں۔ یہ نکاسی غلہ چاول وغیرہ کی ماہ اساڑھ و ساون میں ہوتی ہے اور ماہ اگھن و پوس میں وصول پاتی۔ از روئے شرع یہ نکاسی یا فروخت کی حسب ذیل شرائط مذکورہ بالا جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمایا جائے۔

(۲) روپیہ دینا اس شرط پر کہ فصل کے وقت میں غلہ فلاں اتنے من یا سیر لیں گے۔ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اس ملک میں کوئی شخص جیسے روپیہ آنہ دو آنہ یعنی تھوڑا غلہ خریدنے والا ہوتا ہے جس کو یہاں غلہ بساہنے والا کہتے ہیں اس کا سیر مروجہ سیر سے کچھ بڑا ہوتا ہے و نیز بازاری نرخ سے کچھ زائد غلہ خرید کرتا ہے۔ اب زید جو کہ تجارت کرتا ہے اس کا یہ دستور ہے کہ جو شخص نقد کے سودا خرید کرنے آتے ہیں تو غلہ کو وہی بساہنے والا سیر اور نرخ سے لیتے ہیں۔ اور اپنا سودا سیر مروجہ سے دیتے ہیں۔ یہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

(۴) میوہ کو درخت پر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ بائع بیع کرے اور مشتری میوہ کو فوراً توڑ ڈالے تو جائز ہے۔ یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کوئی صورت جواز کی ہو۔ تو بحوالہ کتب احادیث و فقہ تحریر فرمائیے اگر شرعاً یہ بیع جائز ہے۔ تو اس میں نگہبانی کا ذمہ دار بائع ہوگا یا مشتری یا دونوں۔ اس زمانہ میں آم و لیچی وغیرہ اکثر درخت پر فروخت ہوتا ہے جس کو ہر خاص و عام خرید کر کھاتے ہیں۔ یہ کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۵) فصل دھان و گیہوں وغیرہ جب تیار ہوتا ہے تو اس کو مزدور لوگ کاٹتے ہیں۔ اور اپنی مزدوری کاٹی ہوئی شے میں سے لیتے ہیں یعنی اپنے کاٹے ہوئے کو فلاں حصہ قائم کر کے ایک حصہ اپنی مزدوری کا لیتے ہیں۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بعض لوگ ناجائز کہتے ہیں۔ لہذا جواب بالصواب تحریر فرمائیے۔

(۶) تالاب کے اندر مچھلی فروخت کرنا کیسا ہے۔ اگر شرعاً ناجائز ہے تو کوئی شرعی صورت جواز کی ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(۷) دستخط نوٹ کا ادھار فروخت کرنا مثلاً ایک نوٹ جو کہ پانچ روپیہ کا ہے۔ اس کو سات آٹھ روپیہ میں ادھار فروخت کرنا اور روپیہ دو مہینہ کے بعد لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اگر زید روپیہ کے عوض میں بیع کرتا ہے اور بازاری نرخ مشتری و بائع کو معلوم ہے تو جائز ہے کہ جس نرخ پر بائع مشتری کی رضامندی ہو جائے۔ اس پر بیع جائز ہو گی۔ قال اللہ تعالیٰ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔ اس ضروری ہے کہ بازاری نرخ بائع نے غلط نہ بتایا ہو۔ اور اگر غلہ کے عوض ادھار بیچے تو حرام کہ سود ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والبر بالبر والشعیر بالشعیر یدا بید من زاد او استزاد فقد اربیٰ رواہ مسلم عن ابی سعید الخدری۔ درمختار میں ہے۔ ان وجد احدھما حل التفاضل وحرم النساء۔ ردالمحتار باب الربا میں ہے۔ وسائر الموزونات غیر النقد لا یجوز ان تسلم فی الموزونات وان اختلف اجناسها کاسلام حدید فی دھن و زیت فی حبن۔ اور اگر بعوض روپیہ ادھار فروخت کیا پھر اس قرض روپیہ کے بطریق سلم اس غریب سے دھان وغیرہ خریدا تو بھی منع ہے کہ سلم میں وقت عقد روپیہ دینا شرط ہے۔

درمختار میں ہے۔ فان اسلم مائة درھم فی کر منها مائة دین علیه ای علی المسلم الیه ومائة نقد او افترقا فالسلم فی الدین باطل۔

(۲) غلہ کی خریدی جس کو بیع سلم کہتے ہیں جائز ہے مگر چند شرطوں سے جن کا مآل یہ ہے کہ بوقت بیع عقد تمام ہو اور قیمت فوراً عقد کے وقت ادا کی جائے۔ اور بیع میں کوئی جھگڑے کی بات باقی نہ رہ جائے۔ اسی لئے غلہ کا نام، غلہ کی قسم، غلہ کا نرخ، غلہ کس جگہ دے گا، وصولی کا وقت سب مقرر ہو جاتا ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ واما الذی یرجع الی البدل فستة عشر ستة فی راس المال وعشر فی المسلم فیه۔

(۳) اگر بائع کے علم میں یہ بات لائی گئی ہو کہ تجھ سے غلہ اس بیرے سے خریدتا ہوں اور اس کے عوض سودا اس بیرے سے دوں گا اور وہ اس پر راضی ہو گیا تو جائز ہے غرضیکہ اگر کسی قسم دھوکا دیا گیا ہے تو بیع درست نہ ہوئی اور اگر تمام باتیں صاف طور پر ظاہر کر دی گئی ہوں تو جائز۔ قرآن کریم میں ہے۔ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔

(۴) اگر اس شرط سے درخت کے پھل خریدے کہ پکنے کے وقت تک درخت پر رہے گا۔ تو بہرحال بیع فاسد ہوئی اگر بیع بالشرط ہے خواہ سب پھل آگئے ہوں یا کچھ آگئے اور کچھ آنے والے ہیں۔ اور خواہ پھل حد سے طور پر پکے ہوں یا کچے پھل۔ درمختار میں ہے۔ فان شرط ترکها علی الاشجار فسد البیع۔ عالمگیری میں ہے۔ وان باع بشرط الترک لم یصح قیاسا عند ابی حنیفة وابی یوسف۔ بحر الرائق میں ہے۔ وان شرط ترکها علی النخل فسد البیع۔ اگر بیع پھل آ چکنے کے بعد قریب شرط کی تھی مگر بعد بیع بائع کی اجازت سے کچھ روز پھل

درخت پر رہنے دے تو مطلقاً جائز ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ ولو اشتراها مطلقاً وترکها باذن البائع طاب له الفضل۔ درمختار میں ہے۔ قید باشتراط الترك لانه لو اشتراها مطلقاً وترکها باذن البائع طاب له الزیادة فقال رد المحتار تحت ما زاد فی ذات المبیع وحاصله ان المراد هھنا الزیادة المتصلة لا المنفصلة۔ اگر اس حال میں خریدے جو کہ درختوں پر کچھ آگئے ہیں۔ کچھ آنے والے ہیں تو بیع ناجائز ہے کہ معدوم کی بیع کو شامل ہے۔ درمختار میں ہے۔ بین بعضها دون بعض لا یصح فی ظاهر المذهب شامی میں ہے۔ واطلاق المصنف محمول علی ما اذا باع الموجود والمعدوم۔ ہمارے ملک میں آج کل جو بہار کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ فاسد ہے۔ بعض جگہ تو سالہا سال کی بہار خرید کی جاتی ہے۔ اور بعض جگہ پھل آنے سے پیشتر اور عادۃً درختوں کا پھل پکنے تک اپنے استعمال میں رکھنا شرط بیع ہے۔ ان صورتوں میں بیع فاسد کہ اولاً تو بیع معدوم ہے۔ دوسرے بیع بالشرط۔ اس کی بحث رد المحتار میں ہے۔ المعروف عرفاً کالمعروف نصاً وهھنا فساد البیع وعدم حل الزیادة۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس قسم کی بیع میں ان حلال جائز کی صورتوں پر عمل کریں جو شریعت نے بتائی ہیں۔ ان میں سہل تر صورت یہی ہے کہ ہری کھیتی خریدی ہے تو خریدنے کے بعد زمین کو مدت معین تک کے لئے کرایہ پر لے لے۔ اور اگر باغ کی بہار خریدی ہے تو بعد بیع باغ کی خدمت اپنے ذمہ لے اور تھوڑے پھل مالک کو دے اور باقی پھل اپنی اجرت میں رکھے مثلاً بعد بیع یہ طے کرے کہ باغ کی بہار تیری ہے۔ میں اس کی حفاظت کروں گا پیداوار کا ہزاروں حصہ تیرا اور باقی تمام حق خدمت میرا۔ تو وقت بیع موجودہ پھل کی قیمت ہوگی اور جو آئندہ پھل ہوں ان کے لئے معاملہ۔ درمختار میں ہے۔ والحیلة ان یاخذ الشجرة معاملة علی ان له جزء من الف جزء وان یشتری اصول الرطبة والباذنجان واشجار البطیخ ببعض الثمن و یستاجر الارض مدة معلومة۔ اور اگر مجبوراً کسی نے یہ بیع فاسد خرید لیا۔ تو وہ بعد قبضہ اس کا مالک ہوگیا۔

احمد یار خان نعیمی غفرلہ

فتویٰ نمبر ۴۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کرنے والا چرم قربانی فروخت کرکے اس کی قیمت تعمیر مسجد میں لگائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر قربانی کرنے والا قربانی کی کھال فروخت کر دے۔ تو اس قیمت کا صدقہ دینا ضروری ہے اور صدقہ میں فقیر کا قبضہ معتبر لہٰذا اس کھال کی قیمت مسجد میں خرچ نہیں کر سکتے کہ اس صورت میں قبضہ کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ عالمگیری کتاب الاضحیہ میں ہے۔

ویصدق بجلدھا او یعمل منھا نحو غربال۔

فتویٰ نمبر ۳۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ گاؤں میں ہو سکتی ہے یا نہیں۔ ہمارے یہاں بعض لوگ گاؤں میں بھی جائز کہتے ہیں۔ اگر یہ غلط ہے تو کیوں؟

الجواب

نماز جمعہ وعیدین کے لئے شہر یا فناء شہر شرط ہے۔ گاؤں یا جنگل میدان میں جائز نہیں۔ اس پر آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ صریحہ اور افعال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صحابہ کرام دال ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ و ذروا البیع۔ جس سے بطریق اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا۔ جس جگہ بازار ہو اور بیع و شرا ہوتی ہو اور ظاہر ہے کہ یہ شہر اور بڑے قصبے میں ہی ہوتی ہے۔ لانہ لو لم یتحقق البیع فکیف یترک فان ترک الشئ فرع وجودہ۔ تفسیر کبیر میں ہے۔ لان البیع والشراء فی الاسواق غالب۔ عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنے اپنے مصنف میں بروایت حارث حضرت علی کرم اللہ وجہہ نقل کیا۔ جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع از عینی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۳۲ و از فتح القدیر۔ وقال فی فتح القدیر کفیٰ بقول علی قدوۃ واماما فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۰۹ میں حضرت ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے روایت کیا۔ عن حذیفۃ قال لیس علی اہل القریٰ جمعۃ انما الجمعۃ علی اہل الامصار مثل المدائن۔ بخاری میں باب ہی باندھا ہے کہ باب من این تؤتی الجمعۃ وعلی من تجب وقال عطاء اذا کنت فی قریۃ جامعۃ نودی بالصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فحق علیک ان یشھدھا۔ اسی بخاری میں ہے۔ عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان الناس ینتابون یوم الجمعۃ من منازلھم والعوالی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں اہل دیہات باری باری سے مدینہ منورہ جمعہ پڑھنے آتے تھے۔ اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو مدینہ طیبہ آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اپنے اپنے گاؤں میں ادا کیا کرتے۔ اور اگر اہل دیہات پر جمعہ فرض ہوتا تو باری باری سے کیوں آتے۔ سب ہمیشہ ہی آیا کرتے۔ نیز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے قبا میں بروز دوشنبہ تشریف فرما ہوئے اور بروایت بخاری دس دن سے زیادہ وہاں قیام فرمایا مگر وہاں جمعہ ادا نہ فرمایا حالانکہ جمعہ ہجرت سے پہلے فرض ہوا مگر ادا بعد ہجرت کیا گیا۔ کہ قبل ہجرت مکہ مکرمہ حکم نہ ہونے کی وجہ سے گاؤں کے حکم میں تھا کہ مدینہ مطہرہ جا کر نماز جمعہ ادا کیا کریں۔ ترمذی میں ہے۔ عن ثویر عن رجل من اہل قباء عن ابیہ وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال امرنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نشھد الجمعۃ من قبا

جمعۃ الوداع بروز جمعہ ہوا۔ مگر میدان عرفات میں نہ تو خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ پڑھا نہ اہل مکہ کو حکم دیا۔ صحابہ کرام سے کہیں ثابت نہیں کہ انہوں نے فتوحات کرتے وقت گاؤں میں جمعہ قائم کیا ہو۔ فتح القدیر میں ہے۔ ولهذا لم ینقل عن الصحابة حین فتحوا البلاد واشتغلوا بنصب المنابر والجمع الا فی الامصار۔ مؤطا امام مالک میں باب ہے۔ باب لا جمعة فی العوالی۔ و موطا امام محمد میں۔ صلوۃ العیدین وامر الخطبة میں ہے۔ عن ابن شهاب عن ابی عبید مولی ابن ازهر قال شهدت العید مع عثمان فصلی ثم انصرف وقال انه قد اجتمع لکم فی یومکم هذا عیدان فمن احب من اهل العالیة ان ینتظر الجمعة فلینتظرها ومن احب ان یرجع فقد اذنت له۔ یعنی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عید کے دن دیہاتی لوگوں سے فرمایا کہ آج دو عیدیں جمعہ و عید جمع ہو گئی ہیں۔ عید تو پڑھ لی۔ جو جمعہ پڑھنا چاہے۔ وہ ٹھہرا رہے۔ جو نہ پڑھنا چاہے وہ گھر واپس چلا جاوے۔ معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں۔

ان تمام دلائل سے کالشمس والامس ثابت ہوا کہ جمعہ گاؤں میں ادا نہیں ہو سکتا۔ مخالفین کے پاس بجز دو کمزور دلائل کے اور کوئی دلیل نہیں۔ اول یہ کہ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق عموم ثابت ہے۔ قرآنی عام کو ان اخبار احاد سے خاص نہیں کر سکتے۔ کما هو مصرح فی الاصول۔ دوم یہ کہ احادیث میں وارد ہے کہ صحابہ کرام نے قریٰ یعنی گاؤں میں جمعہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ ہجرت سے قبل مدینہ منورہ قریہ یعنی گاؤں تھا اور صحابہ نے جمعہ وہاں ادا کیا۔ اسی طرح جواثا جو کہ گاؤں ہے۔ بحرین میں وہاں مسجد عبد القیس میں صحابہ نے جمعہ ادا کیا۔ یہ دونوں دلائل بہت کمزور ہیں۔ اول تو اس لئے کہ قرآن میں جمعہ کے لئے کوئی شرط نہیں۔ تو وقت کی اور جنگل یا آبادی کی بھی قید نہیں۔ لہٰذا لازم آتا ہے کہ نماز جمعہ بروز جمعہ ہر وقت کبھی فجر کے وقت کبھی دوپہر کو کبھی عصر کبھی مغرب کے وقت جنگل اور آبادی ہر جگہ ہوا کرے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں تو ماننا پڑے گا کہ یہ عام مخصوص البعض ہے اور جب کسی قطعی عام میں ایک بار تخصیص قطعی دلیل سے ہو چکی۔ تو آئندہ دلائل ظنیہ سے بھی تخصیص جائز ہے۔ کما هو فی الاصول۔

دوم یہ کہ آیت مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے۔ کما لا یخفی علی اهل العلم۔ اور مجمل کی تفصیل ظنیات سے جائز ہے۔ جیسا کہ مسح راس میں ہوا۔ سوم مخصص اول خبر احاد نہیں بلکہ عرفات میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ ادا نہ کرنا ان تمام لوگوں نے دیکھا جو اس حج وداع میں شامل تھے اور وہ ایک لاکھ آدمی کے قریب۔ جب اتنے خلق ایک فعل کو دیکھیں۔ تو وہ خبر احاد کیسے۔ چہارم۔ ہم کہہ چکے کہ فذروا البیع میں اشارہ اس طرف ہے

کو جمعہ شہر ہی ہو۔ رہی دوسری دلیل وہ اس سے کمزور بلکہ باطل ہے کہ ان مقامات کا گاؤں ہونا ثابت نہیں کہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی عام طور پر ہوتا ہے۔ مکہ مکرمہ کو کہتے ہیں۔ ام القریٰ قرآن پاک میں فرمایا گیا۔ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اس میں مکہ اور طائف کو قریہ کہا گیا اور اگر مان لیں کہ قریہ یعنی گاؤں اس جگہ بولا گیا ہو تو کیا خبر کہ اس وقت گاؤں تھا ممکن ہے کہ پہلے گاؤں رہا ہو اور بروقت نماز جمعہ شہر بن چکا ہو اس سے بھی چشم پوشی کر لیں تو کیا معلوم کہ خود سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ جمعہ ہوا۔ یا کہ صحابہ کرام کے اجتہاد سے۔ غرضیکہ یہ دلائل کمزور ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ گاؤں یا جنگل میں جمعہ جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خان غفرلہ

قبر میں نبی کریم کی زیارت پاک کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت کو نکیرین بوقت سوالات قبر میں حضور علیہ السلام کی زیارت کراتے ہیں یا شبیہ پاک کی یا خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود ہوتے ہیں اور جو اس کو بعید از عقل سمجھے اس کا کیا حکم ہے؟ نیز جو مردے دفن نہیں کئے جاتے ان سے کس طرح سوالات ہوتے ہیں۔ جیسے کسی کو جلا دیا گیا یا شیر کھا گیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان سوالات کے بارے میں جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ (مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر) یعنی نکیرین میت سے کہتے ہیں کہ تم ان صاحب کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ خود راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رجل کی تفسیر میں فرمایا لمحمد یعنی ھذا الرجل سے اشارہ ذات کریم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ یعنی ھذا الرجل کہ می گویند آنحضرت را بعنوان خود۔ حدیث پاک کے الفاظ اور خود راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تفسیر سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ خود سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوتے ہیں۔ نیز محدثین کرام بھی اسی معنی کو زیادہ راجح قرار دے کر اس کو مژدۂ عظیم بتاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث اشعۃ اللمعات میں اسی باب اثبات عذاب القبر کی اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

* یا بہ احضار ذات شریف وے در عیان باین طریق کہ در قبر مثالے از حضرت وے صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ساختہ

سے باشند" اسی پر اعتماد فرما کر دولہ عشق سے فرماتے ہیں۔ دریں جا بشارتیست مر مشتاقان غمزدہ را کہ اگر بامید ایں شادی جان دہند و زندہ در گور روند جائے آں دارد ؎

در تعلیت فراق تو گر جان دہم چہ غم ❖ ہم نیست گر نماز رخصت پر تو قد

صوفیائے کرام و عاشقان عظام بھی اسی بنا پر تمنائے موت کرتے چلے گئے ہیں۔ حاشیہ مشکوۃ میں ہے۔ قیل یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی البشری عظیمۃ۔ قسطلانی شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۳۹۰ کتاب الجنائز میں ہے۔ فقیل یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بشری عظیمۃ للمومن ان صح۔ معلوم ہوا کہ ظاہر یہی ہے کہ خود سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ میت کو ہوتا ہے۔ کہ اس کے سوا دیگر توجیہوں میں ہذا الرجل کی تاویل کرنی پڑے گی اور مجاز وغیرہ ماننا پڑے گا۔ اور اس توجیہ پر کوئی تاویل کی حاجت نہیں کہ رجل روح مع الجسم کو کہتے ہیں۔ جو شخص محض بعید از عقل ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کرے وہ ابھی تک ایمانیات سے بے خبر ہے۔ عجائبات قدرت کی کس کس بات کو اپنی ناقص عقل سے معلوم کرے گا۔ ماں کے پیٹ میں بچہ جب تیار ہوتا ہے۔ فرشتہ اسی جگہ تقدیر لکھ جاتا ہے۔ ماں کو خبر نہیں ہوتی اور ایک ہی فرشتہ ایک ہی وقت میں ہزارہا پیٹوں میں جاکر یہ کام کرتا ہے۔ ایسے ہی منکر نکیر ایک ہی وقت میں تمام دنیا کے مدفونین سے سوال کر لیتے ہیں۔ ایک سونے والا آنکھ لگتے ہی عالم کی سیر کر لیتا ہے۔ جب اٹھا جو جہاں تھا وہیں موجود۔ تو اگر میت کی قبر میں سرکار خود تشریف فرما ہوں یا میت کی آنکھوں سے حجاب اٹھا دیئے جاویں تو اس میں کون سی قباحت ہے۔ جیسے کہ جنت کی کھڑکی قبر میں کھلتی ہے۔ حجاب اٹھا کر اور اگر اسی لئے کوئی شخص اس کا انکار کرے کہ بعض محدثین نے اس کے علاوہ بھی قول کئے ہیں۔ وہ انہی کو اختیار کرتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(۳) عذاب قبر اور سوالات قبر میں جو لفظ قبر بولا جاتا ہے۔ اس سے مراد خاص گڑھا جس کو ہم قبر کہتے ہیں نہیں ہے بلکہ مراد عالم برزخ ہے جو دنیا کی زندگی اور قیامت کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ لہذا جو شخص اس قبر میں دفن بھی نہ کیا جاوے اس کا جسم جس جگہ بھی ہوگا۔ وہاں ہی روح سے تعلق پیدا کرکے اس سے سوال و جواب اور اس کو عذاب ہوگا۔ حتی کہ اگر میت کو جلا دیا گیا یا شیر کھا گیا یا مچھلیوں نے کھا لیا۔ تو اس کے اجزاء اصلیہ جن کو اجزائے لاتتجزی بھی کہتے ہیں۔ خود ان اجزاء سے روح کو تعلق دے کر سوال و جواب ہوگا کہ اجزائے لاتتجزی کبھی فنا نہیں ہوتے۔ جسم راکھ ہوگیا یا شیر کا پاخانہ بن گیا۔ مگر وہ اجزاء بحالہا ویسے ہی باقی رہے۔ اسی پر قیامت کے دن جسم بنایا جائے گا۔ الحمد للہ آریہ کے اوہام میں اور اس حشر اجساد میں فرق ہوگیا۔ کیونکہ آریوں کے ہاں تو خود روح بدل جاتی ہے اور ہمارے ہاں نہیں اور آریوں کے ہاں دوسرا جسم پہلے جسم کا بالکل غیر ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں نہیں بلکہ جسم کے اصلی اجزاء ان دونوں جسموں میں ایک ہی ہیں۔ اگرچہ ان جسموں کی صورت مختلف ہے۔ اور اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے۔ دیکھو بچپن جوانی بڑھاپا اور بیماری تندرستی میں جسم کی شکلیں

مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن اس سے آدمی نہیں بدل جاتا کیونکہ اس کے اصلی اجزاء وہی ہیں۔ ایسے ہی قیامت میں اسی اجزاء وہی ہوں گے۔ جسم کی شکل بدل جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی میت کو دفن نہ کیا گیا تو اسے اسی میدان میں سوال و جواب ہوں گے جہاں وہ پڑا ہوا ہے۔ اگر کسی کو تابوت میں ہی رکھ دیا گیا۔ تو تابوت ہی میں اس سے سوال و جواب ہوں گے اگرچہ کسی کو شعور نہ ہو۔ اشعۃ اللمعات باب اثبات عذاب القبر میں ہے: "و مراد بقبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت و تعلق دارد بہر مردہ خواہ در زمین دفن کردہ شود یا نہ تا آنکہ اگر در آب غرق شوند و در آتش سوختہ گردند و در شکم جانوران تحلیل روند و اجزاء شان پراگندہ گردند اہل عذاب را عذاب کنند و وقت وصل مختصراً" نیز شرح عقائد نسفی میں ہے۔ حتی ان الغریق فی الماء والماکول فی بطون الحیوانات والمصلوب فی الھواء یعذب وان لم نطلع۔ حاشیہ شرح عقائد میں کنز العباد سے ہے۔ فی الروضۃ فی الباب السادس والعشرون فان قیل ما تقول اذا مات الرجل ولم یدفن ایاما ثم یدفن ھل یسئل فی البیت فنقول اختلف المشائخ فیہ والاصح وقال بعضھم یسأل فی البیت فی لیلۃ یصعد الارض حولہ فیصیر کالقبر ویسأل لانہ روی الاخبار انہ یسأل المیت بعد الموت بلا فصل ولو مات رجل فی القریۃ فجعلوہ فی التابوت لیحملوہ الی بلد آخر متی یسأل فی القیام فی التابوت قال الفقیہ ابو جعفر الہندی یسأل فی التابوت لانہ کالقبر۔ ان عبارات سے کھلی وہ امور معلوم ہوئے جو کہ ہم نے بیان کئے۔ واللہ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم۔

احمد یار خان عفی عنہ

حضرت مسیح کے ابن ہونے کا حکم

فتویٰ نمبر ۱۵

علمائے دین کی خدمت میں عرض ہے کہ ایک عیسائی نے ۲۶ محرم ۱۳۵۴ ہجری / ۱۹ مارچ ۱۹۳۵ء کے اخبار الفضل میں ایک مضمون دیا ہے جس میں اس نے قرآن پاک سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ابن اللہ ہونا اور افضل الرسل ہونا ثابت کیا ہے۔ اور دعویٰ کیا ہے کہ ان دلائل کا کوئی عالم جواب نہیں دے سکتا۔ مہربانی کر کے جوابات ارقام کئے جاویں۔

الجواب

اشتہار مذکورہ فقیر کی نگاہ سے گزرا۔ اس میں محض دھوکہ بازی سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے دلائل تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

دلیل ۵: میں پادری نے لکھا ہے۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۔ جیسا کہ فرماتے ہیں
کو میں ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہوگا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر احمد
رسول نے آکر دین مسیح کو جھٹلانا تھا۔ اور مسیح کے خلاف چلنا تھا۔ تو مسیح ایسے رسول کی آمد کی بشارت کیونکر کہہ سکتے تھے
اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ احمد رسول نے آکر مسیح کے لئے راستہ صاف کرنا تھا اور لوگوں کو بتانا تھا کہ نجات
مسیح کے ساتھ ہے۔

جواب:- پادری جی! اسلام نے دین مسیح کو کب جھٹلایا اور اس کی مخالفت کہاں کی۔ اگر اسلام کہتا کہ دین مسیح
جھوٹا تھا یا حضرت مسیح نبی نہیں تو جھٹلانا ہوتا۔ اسلام نے تو دین مسیح کیا تمام آسمانی دینوں کی تصدیق کی اور ان کے لانے
والے نبیوں کو برحق فرمایا۔ ہاں ان تمام دینوں کی ایک ایک میعاد تھی کہ جس پر وہ پہنچ کر ختم ہو گئے۔ دین موسوی
جس طرح حضرت مسیح کی تشریف آوری سے ختم ہو گیا اسی طرح دین عیسوی دین اسلام سے ختم ہو گیا۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت
مسیح نے دین موسوی و ابراہیمی کو جھٹلا دیا۔ قاعدہ ہے کہ جب بچہ سکول جاتا ہے تو چھوٹی کلاسوں اور چھوٹے مدرسوں میں
تعلیم پاتا ہے جس قدر اس کی علمی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر بڑی کلاسوں اور بڑے مدرسین کے پاس پہنچتا ہے۔ تو کیا
بڑے مدرسین چھوٹے مدرسوں کو جھٹلاتے ہیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ ان کے ادھورے کام کو مکمل کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کالج کی
آخری پاس کر کے راحت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح انبیائے کرام دنیا کو حسب ضرورت تعلیم دیتے رہے۔ یہاں تک
کہ دنیا کے آخری اور کامل معلم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکمل دین لیکر تشریف لائے اور اب مکمل سبق دنیا کو دے گئے۔ کہ
اب کسی استاد کی ضرورت نہیں رہی اور فرما دیا۔ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي
(پارہ ۶) رہا یہ کہ حضرت مسیح نے تشریف آوری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری کیوں دی۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔ اول تو یہ کہ دنیا نے
حضرت مسیح کو جھٹلایا۔ اور دنیا کے اس تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرمائی جس سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں ان کی تصدیق
ہو گئی۔ دنیا نے ان کو اور ان کی کنواری طیبہ طاہرہ والدہ ماجدہ کو عیب لگایا۔ اس رحمت عالم علیہ السلام نے ان کے دامن عفت سے
یہ دھبہ ایسا دور فرمایا کہ قرآن پڑھنے والے ان کی طہارت کے گیت گاتے اور جس درس توحید کو وہ لائے تھے۔ اس کو بام عروج تک
پہنچایا۔ غرضیکہ اس رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی بدولت ان کی رسالت کی تصدیق ان کی والدہ ماجدہ کی پاکدامنی کی تائید ان کی
کتاب کی حمایت ان کے کام کی تکمیل ہوئی۔ پھر کیوں نہ خوش ہو کر فرماتے کہ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ۔
اگر قرآن نے اس طرح ان کا چرچا نہ کیا ہوتا تو دنیا ان کے نام سے ناآشنا ہو چکی ہوتی۔ آج دنیا میں ان ہی انبیاء اور کتابوں
کا نام روشن ہے جس کو اس آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرما دیا جن کا اسلام نے ذکر نہ کیا ان کے نام بھی بھولے
جا چکے۔

پادری جی! مسیح کا نام اسلام سے زندہ ہے نہ کہ آپ سے۔ پادری جی نے شاید سوتے میں کہہ دیا کہ احمد رسول نے آ

کہ مسیح کے لئے رستہ صاف کرتا تھا۔ جناب ہوش سنبھالو۔ بادشاہ کے آنے سے پہلے راستہ صاف ہوتا ہے۔ یا گذر جانے کے بعد اور بادشاہ کی آمد کی خبر اس کے ماتحت لوگ دیتے ہیں یا کہ ماتحت کی خبر بادشاہ۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک بادشاہ کی آمد کی خبر دی اور ان کے لئے راستہ صاف فرمادیا۔ تمام انبیاء نے ان کی تشریف آوری کی خبر دی اپنی اُمتوں کو دی اور ان کی آمد کی دعائیں مانگیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ ۔ الٰہی مکہ والوں میں رسول۔ ان ہی میں پیدا فرما۔

محبوب نہیں جن کے نبیا مانگیں، رسل جن کی دُعا ہو ◦ وہ دو جہاں کے صاحب اعلیٰ ہی تو ہیں

دوسری دلیل: آپ فرماتے ہیں۔ كَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا أَوَّلُهَا وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ آخِرُهَا یعنی امت کے شروع میں ہوں اور آخر میں مسیح ابن مریم ہیں۔ وہ تباہ نہیں ہوسکتی۔ دیکھئے کس صفائی سے فرمادیا۔ کہ اگرچہ امت کی نجات شروع میں مجھ سے وابستہ ہے مگر آخری زمانہ میں مسیح ابن مریم ہی نجات کا ذریعہ ہوں گے۔

جواب: پادری جی! یہ الٹی گنگا کس طرح بہہ رہی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سینکڑوں برس پہلے گذر چکے ہیں۔ پھر وہ حضور سے بعد میں کیوں ہو گئے۔ افسوس تم نے آنکھ پر پٹی باندھ کر حدیث لکھی۔ سنیئے پہلے عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں نبی کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ اب دوبارہ اُمتی نبی آخر الزماں کی حیثیت سے تشریف آوری ہوگی۔ اور اسلام کے مبلغ کی حیثیت ہے۔ جیسے کہ ایک جج کسی بڑے جج کی کچہری میں کسی مقدمہ کی گواہی دینے جائے۔ تو اگرچہ وہ اپنی کچہری میں جج ہے۔ مگر یہاں اس بڑے جج کا گواہ اور اس جج کا ماتحت۔ سبحان اللہ اس امت مرحوم کا کیا رتبہ ہے کہ ایک نبی معظم اس کی اُمت کا فرد ہے۔ اس حدیث میں یہ کہا ہے۔

تیسری دلیل: چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان ہزاروں مصائب میں گرفتار ہیں اور دنیا میں ہر لحاظ سے گر رہے ہیں۔ اس کا سبب یہی ہے کہ جناب مسیح کو مسلمان قبول کرکے دین مسیحی میں داخل نہیں ہوتے۔

جواب: مسلمانوں کی پستی اور کمزوری صرف اس لئے ہے کہ وہ اسلام پر پوری طرح قائم نہ رہے۔ ورنہ جب تک مسلمان پختہ تھے تب تک انہوں نے یہودی عیسائی مشرکین وغیرہم تمام کو اپنا غلام بنالیا۔ پادری صاحب پچھلی لڑائیاں بھول گئے کیا قادسیہ اور یرموک کے میدان آپ کو یاد نہ رہے کہ جہاں عیسائی ۲ لاکھ اور مسلمان صرف چالیس ہزار تھے مگر عیسائیوں کو وہ مار پڑی کہ آپ اب بھی جانتے ہوں گے۔ اور آپ کا سر اب تک یاد کرتا ہوگا۔ مسلمانوں نے روم و ایران بلکہ تمام دنیا پر صدہا برس تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کی۔ ابھی سو رہے ہیں۔ مگر سمجھو کہ یہ سوتے ہوئے شیر ہیں۔ اچھا اگر ہم مان لیں کہ عیسائیت سے عزت ملتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ اینگلو انڈین کی انگریز عیسائیوں کے سامنے موچی کے برابر بھی عزت نہیں۔ امریکہ والے اپنی خیرات سے چند روپیہ ماہانہ کر تنخواہ دیتے ہیں جس سے بمشکل تمام ان کی گذران ہوتی ہے۔ نہ پاؤں میں جوتا ہے نہ سر پر ٹوپی نہ بدن پر عمدہ کپڑے۔ ان کا گرجا علیحدہ ان کا قبرستان علیحدہ کیوں صاحب مسیحی تو یہ بھی ہیں

انہیں کیوں نہ عزت ملی۔ آؤ اسلام کی آغوش میں تو عزت بھی پاؤ گے اور ہدایت بھی۔

چوتھی دلیل: جب کوئی نبی زندہ آسمان پر نہ گیا اور خدا نے اس قابل نہ سمجھا کہ دوبارہ آکر اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کرے اور اس عظیم الشان کام کو کرنے کے لئے صرف مسیح کو ہی منتخب کیا۔ تو مسیح کی فضیلت میں کیا کمی رہ گئی۔

جواب: میں ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ بادشاہ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک سپہ سالار کو سوار لشکر دے کر بھیجا مگر دشمن اس سے نہ دبا۔ بلکہ اس کے قتل کی تیاری کی۔ لہٰذا بادشاہ نے اسے واپس بلا لیا اور دوسرا سپہ سالار بھیجا جس نے تمام دشمنوں کو مغلوب کر لیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر حکم دیا کہ چونکہ تم دشمن پر غالب آ گئے اور دنیا تم کو مان گئی۔ لہٰذا تم وہاں ہی رہو اور جہاں کے جاؤ خوب حکمرانی کرو۔ پھر پہلے کو دوسرے کا ماتحت بنا کر بھیجا۔ ان دونوں میں کون سپہ سالار بڑے رتبہ والا ہے۔ ہر عقلمند کہے گا کہ دوسرا۔ جناب مسیح علیہ السلام کے یہودی ایسے دشمن ہوئے کہ ان کو قتل کرنے کے ارادے سے قید کر دیا۔ اس وقت مدد الٰہی نے ان کی دستگیری کی اور ان کو آسمان پر بلا لیا۔ برخلاف اس کے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ بغیر دنیاوی سامان اور شوکت کے ساری دنیا سے مقابلہ کیا۔ صرف ۲۳ سال کی تھوڑی مدت میں عالم کی ہوا بدل دی۔ پیغام الٰہی پہنچا دیا۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ۔ اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ اور ان پر خوب سختی کرو۔ کہئے جو کفار سے تنگ آکر تارک الدنیا ہو جائے اور جو ان میں رہ کر ان کی اصلاح کرے۔ ان میں کون افضل ہے۔ رہا آسمان پر جانا رہنا۔ اس میں کوئی ایسی خاص افضلیت نہیں کہ صرف اسی کی وجہ سے تمام انبیاء سے افضل کہا جائے۔ حضرت ادریس علیہ السلام تو حضرت مسیح سے بھی اوپر ساتویں آسمان پر بلکہ بہشت میں تشریف فرما ہیں۔ ملائکہ چاند ستارے سورج آسمان پر ہی ہیں۔ کیا پادری صاحب ان سب کو حضرت مسیح سے افضل مانیں گے۔ ہاں آسمان پر بلایا جانا، وہاں کی سیر کرانا اگر خدا کے نزدیک مہمانی ہو۔ ملائکہ زمین پر لینے کو آئیں۔ تمام جنت دوزخ عرش و کرسی کی سیر کرائی جائے۔ راز و نیاز ہو۔ اس جانے میں اور اس جانے میں بڑا فرق ہے۔ حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح معراج میں بلایا گیا۔

پانچویں دلیل: ہم مسیح کو خدا کا بیٹا کیوں نہ مانیں جب قرآن کہتا ہے کہ خدا ہی حی و قیوم ہے یعنی زندہ اور غیر متغیر ہے۔ مگر مسیح دو ہزار سال سے زندہ اور غیر متغیر آسمان پر بیٹھا ہے۔ لہٰذا وہ بھی خدا یا خدا کا بیٹا ہے۔

جواب: پادری جی۔ یہ تو خوب کہا کہ جس کی عمر بڑی ہو اور آسمان پر بیٹھا رہتا ہو۔ وہ خدا کا بیٹا۔ تو سارے فرشتے خدا کے بیٹے چاند سورج۔ حضرت ادریس علیہ السلام خدا کے بیٹے بتاؤ تو خدا کے کتنے بیٹے ہیں۔ اور کس کس بیوی سے پیدا ہوئے اور تمہارے خدا کا نکاح کتنی جگہ ہوا۔ کہاں کہاں خدا کی سسرال ہوئی۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ اگر اوپر رہنے میں افضلیت ہوا کرے۔ تو دریا میں حباب اوپر اور موتی نیچے ہے۔ ہر

ہلکی چیز اوپر اور بھاری چیز نیچے رہتی ہے۔ تو کیا موتی سے حباب افضل ہوتا ہے۔ ع
حباب بر سر آب و گوہر تہ دریاست۔ حضرت مسیح علیہ السلام صرف ڈیڑھ دن آسمان پہ قیام فرمائیں
گے۔ جو بیان کے صدہا سال ہوئے۔ اس زمانہ میں جب وہ اس دنیا میں قیام فرما نہ ہوئے تو وہ
زمانہ عمر قرار نہ پائے گا۔ اور اگر مان بھی لیں تو کیا ضروری ہے۔ ہر بڑی عمر والا چھوٹی عمر
والے سے ہر طرح افضل ہوا۔ اگر باپ کی عمر پچاس سال اور بیٹے کی سو سال ہو تو کیا بیٹا
باپ سے افضل ہوا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ۳۳ سال دنیا میں قیام فرمایا۔ اور حضرت نوح
علیہ السلام نے ساڑھے پندرہ سو برس۔ تو کیا حضرت نوح کو تم عیسیٰ علیہ السلام سے افضل
مطلق مانو گے۔ سانپ گدھ اور بعض درختوں کی عمریں انسان سے بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ تو کیا
یہ چیزیں انسان سے افضل ہیں۔ ہرگز نہیں۔

چھٹی دلیل:۔ خدا کے سوا کسی انسان کی کیا مجال ہے کہ وہ مردے زندہ کرے
آدم سے لے کر اب تک کسی نے ایسا نہ کیا لیکن ایک ہستی ایسی پائی جاتی ہے جس نے مردے
زندہ کئے۔ وہ ہمارے منجی خداوند مسیح ہیں۔ اب آپ کے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو یہ تسلیم کریں
کہ قرآن کی یہ آیت درست نہیں۔ کہ خدا ہی مردے زندہ کرتا ہے یا یہ مانیں کہ مسیح خدا کا بیٹا
ہے۔ کیونکہ بیٹا باپ سے جدا نہیں۔

جواب:۔ پادری جی! معجزوں کا کون منکر ہو سکتا ہے۔ بے شک جناب مسیح علیہ السلام نے
مردے زندہ کئے۔ لیکن معجزے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کام خدا کی طرف سے نبی کے ہاتھ پر
ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا۔ وَأُحْيِي الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ یعنی میں خدا کے حکم سے مردے
زندہ کرتا ہوں۔ ان معجزات سے کوئی بھی نبی خدا کا بیٹا نہ بنا۔ آپ کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ آدم
سے لے کر اب تک کسی نبی اور ولی نے مردے زندہ نہ کئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل
کے ایک شخص مردے کو گائے کے کچھ اعضاء مار کر زندہ فرمایا اور ان کا یہ معجزہ تو مشہور ہی ہے۔
کہ لاٹھی کو زندہ سانپ بنا دیتے تھے۔ حضرت عزیر آدمی زندہ کئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
۴ پرندوں کو ذبح فرما کر زندہ فرمایا۔ جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ
سَعْيًا۔ خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردے زندہ کئے چنانچہ حجۃ الوداع میں اپنے والدین
ماجدین کو زندہ فرما کر انہیں اسلام کی تلقین فرمائی۔ دیکھو شامی۔
اسی طرح حضرت جابر کے دو بچوں کو زندہ فرما کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ جن میں سے ایک
کو دوسرے نے ذبح کر دیا تھا۔ اور دوسرا چھت سے گر کر فوت ہو چکا تھا۔ ان کے صحابہ کرام

سے ان کا نام لے کر مردے زندہ کئے۔ چنانچہ ایک انصاری اندھیا بڑھیا نے اپنے بیٹے کو آپ کا نام لے کر زندہ کیا۔ دیکھو شرح قصیدہ بردہ للخرپوتی کی اس شعر کی شرح ؎

لَوْ نَاسَبَتْ قَدْرَهٗ اٰیَاتُهٗ عِظَمًا　　اَحْیٰ اِسْمُهٗ حِیْنَ یُدْعٰی دَارِسَ الرِّمَمِ

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

وَسَأَلْتَ رَبَّكَ فِي ابْنِ جَابِرٍ بَعْدَمَا　　اَنْ مَاتَ اَحْیَاهُ وَقَدْ اَنْ حَقَّقَ

ان کی امت کے اولیاء نے ہزارہا مردے زندہ کئے جیسے حضور شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اگرچہ آپ ان باتوں کو نہ مانیں۔ مگر چونکہ آپ نے ہم کو ہمارے مذہب سے الزام دیا۔ اس لئے یہ جواب دیا گیا۔

اور نئے عہد نامہ [illegible] حضرت [illegible] زندہ [illegible] تو آپ [illegible] مذہب پر [illegible] حضرت مسیح [illegible] اسلام [illegible] ہو۔

ساتویں دلیل :۔

آدم سے رسول عربی تک کسی نے کچھ بھی پیدا نہ کیا لیکن یہاں بھی مسیح کی امتیازی شان موجود ہے چنانچہ سورۂ آل عمران میں لکھا ہے۔ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًا ۔ اب یا تو یہ سمجھو کہ قرآن کی یہ آیت صحیح نہیں کہ صرف خدا ہی خالق ہے۔ یا یہ تسلیم کرو کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے اور باقی نبیوں سے افضل۔

جواب :۔ پادری جی! تم نے دھوکہ دینے کو آیت صحیح پوری نہ لکھی اور ترجمہ بھی غلط کیا۔ سنئے! آیت پوری یہ ہے۔ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ یعنی میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ وہ پھونک مارنے سے خدا کے حکم سے فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اور زندہ کرتا ہوں مردے کو خدا کے حکم سے (آل عمران) اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردے زندہ کرنا بیماروں کو اچھا کرنا اور تمام معجزات دکھانا خدا کے حکم سے تھا۔ اَخْلُقُ کے معنی اس جگہ بنانے کے ہیں۔ نہ کہ پیدا کرنے کے ورنہ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ کا لفظ بیکار رہے گا۔ یعنی میں پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ قرآن پاک میں خلق کا لفظ بنانے کے معنی اور جگہ بھی بولا گیا ہے۔ کفار سے خطاب کر کے فرمایا گیا وَتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۔ (عنکبوت) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کو پکار کر زندہ فرمایا۔

ماں کے پیٹ میں فرشتہ ہی بناتا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کے بغل میں اسی طرح پھونک مار کر خود مسیح کو بنایا۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کا جسم بنایا۔ شاید ان سب کو آپ خدا کا بیٹا تسلیم کریں۔ سبحان اللہ! اتنی سی قابلیت اور علم پر مسلمانوں سے الجھ بیٹھے۔

آٹھویں دلیل :۔ قرآن مسیح کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہتا ہے۔ زمین پر آپ کا کوئی باپ نہ تھا۔ اور نہ آپ انسانی نطفہ سے پیدا ہوئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ پر موت قبضہ نہ کر سکی؟

جواب :۔ پادری جی! اور بھی تعجب کی بات سنئے کہ میں اور آپ بھی روح اللہ ہیں یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی روح۔ ہر چیز اللہ نے بنائی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ خلاف عادت طریقہ سے بغیر واسطہ باپ پیدا ہوئے۔ ان کی عزت بڑھانے کے لئے روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا۔ یعنی بغیر واسطہ باپ۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی روح۔ جیسے کہ آپ گرجا کو کہتے ہیں بیت اللہ۔ کیا خدا اس میں رہتا ہے؟ نہیں بلکہ مطلب یہ کہ کسی انسان کا اس پر دعویٰ ملکیت نہیں۔ اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل ہو۔ تو حضرت آدم و حوا بدرجہ اولیٰ خدا کا بیٹا اور بیٹی ہوں گے اور تمام فرشتے خدا کی اولاد۔ یہ سب بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے۔ غرضیکہ یہ تمام باتیں لغو اور بے بنیاد ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

احمد یار خاں عفی عنہ

قرآن کریم کو ہندی رسم الخط میں لکھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید غلام بھیک نیرنگ نے ایک تجویز پیش کی ہے کہ قرآن کو ہندی رسم الخط میں چھاپا جائے تاکہ اس سے دیگر اقوام ہند میں تبلیغ کا کام ہو سکے آیا جائز ہے یا نہیں؟ نیز عرض یہ ہے کہ قرآن کی تحریر کی آیات قرآنیہ سے مشق جائز ہے یا نہیں؟ اور حمائل وغیرہ چھاپنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

خدائے پاک میر صاحب کے حال پر رحم فرمائے۔ ان کو اس بڑھاپے میں جو سوجھتی ہے وہ نرالی ہے [illegible] کو مسلمانوں کا حق دلوایا اور برعکس نام نہند زنگی کافور نام رکھا خوش ہیں اب یہ نئی سوجھی۔ خدائے پاک فرماتا ہے۔ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ اس آیت میں حافظوں کو مطلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم تلاوۃً و کتابۃً ہر طرح محفوظ ہے جس طرح اس کی عبارت بدلنا جائز نہیں اور وہ

قرآن نہ ہوگا۔ اسی طرح اس کا رسم الخط بھی بدلنا جائز نہیں کہ وہ قرآن کی تحریر نہ ہوگی۔ ہندی یا انگریزی تو دور کا سوال ہے یہاں تو خط نستعلیق میں قرآن لکھنا منع ہے۔ نسخ میں ہی لکھا جائے گا۔ اور نسخ میں اسی طرح اسی روش سے جس طرح منقول ہوتا چلا آرہا ہے۔ اگرچہ اب ہماری رسم الخط اس کے خلاف ہو گئی ہو۔ بسم اللہ کا سین دراز ہی کر کے لکھا جائے گا۔ لنسفعاً تنوین ہی سے لکھا جائے گا۔ اگرچہ نون خفیہ ہے۔ بئس الاسم الفسوق۔ لام الف سے لکھا جائے گا اگرچہ پڑھنے میں صرف لام آتا ہے۔ غرضیکہ طریقہ تحریر میں مصحف عثمانی کے موافق ہوگا۔ اتقان جلد دوم صفحہ ۱۷۱ میں کتابۃ القرآن کے ذکر میں ہے۔ وهل يجوز غير عربي الاقرب المنع كما تحرم قرأته بغير لسان العربي لقولهم القلم احدى اللسانين وقد قال تعالى بلسان عربي مبين۔ اسی میں صفحہ ۱۶۷ پر ہے وقال الامام احمد يحرم مخالفة خط مصحف عثمان في واو وياء او الف وغير ذلك۔ اسی طرح ہے۔ قال البيهقي في شعب الايمان من يكتب مصحفا فينبغي ان يحافظ على الهجاء الذي كتبوا به تلك المصاحف ولا يخالفهم فيه ولا يغيروا مما كتبوه شيئا فانهم كانوا اكثر علما واصدق قلبا ولسانا واعظم امانة منا فلا ينبغي ان نظن بانفسنا استدراكا عليهم۔ اتقان جلد دوم صفحہ ۱۶۷ نوع في مرسوم الخط میں ہے سئل مالك هل يكتب المصحف على ما احدثه الناس من الهجاء فقال لا الا على الكتبة الاولى۔ اسی صفحہ ۱۷۰ میں ہے عن ابن سيرين انه كان يكره ان تمد الباء الى الميم حتى تكتب السين۔ ان عبارات سے بالکل ظاہر و باہر ہو گیا کہ قرآن کریم کی تحریر عربی خط میں ہی ہوگی اور وہ بھی موافق مصحف عثمانی خواہ آج کل کی رسم الخط اس کی موافقت کرے یا نہ کرے۔ جبکہ رسم الخط قرآن میں اس قدر پابندی ہے تو ہندی یا انگریزی رسم الخط میں قرآن لکھنا تو صریح تحریف ہے کہ اولاً تو اوپر ذکر کی ہوئی پابندیوں کے خلاف ہے۔ دوم سین، صاد، ثا میں اسی طرح ق اور ک میں ز، ذ، ظ میں فرق بالکل نہ ہو سکے گا۔ مثلاً ظاہر کے معنی ہیں ظاہر اور زاہر کے معنی ہیں چمکدار یا تروتازہ اب اگر ہندی میں آپ نے [illegible] یا انگریزی میں ZAHIR لکھا تو کیسے معلوم ہو کہ ظاہر ہے یا زاہر اسی طرح تاہر اور طاہر دوم یہ قدیر اور قادر اور دونوں انگریزی اور ہندی میں ایسے لکھے جاتے ہیں [illegible] QADIR بتائیے قادر اور قدیر، سامع اور سمیع، عالم اور علیم میں کس طرح فرق رہے گا۔ غرضیکہ اوصاف الفاظ تو درکنار خود حروف ہی منقلب ہو جائیں گے۔ اور معنی ہی ختم۔ میر صاحب قبر میں جانے کو ہیں کیا یہ اعمال شکل گھر کر دکھائیں گے۔ اب قرآن کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔ بعض علماء تو قرآن میں رکوع اور نقطے اعراب اور آیات اور اعداد شمار

لکھنے کے بھی خلاف رہے مگر یہ صورت کرسکے کہ ان کے بغیر لوگ قرآن صحیح نہ پڑھ سکیں گے۔ اور ان سے
قرآن غیر قرآن سے مشتبہ نہیں ہوتا اور دلالت قراۃ میں اس لئے جائز رکھا گیا۔ اسی اختلاف کو صاحب اتقان بیان
فرما کر فرماتے ہیں۔ واما النقط فیجوز لانہ لیس لہ صورۃ فیتوہم لاجلہا لیس بقرآن
قرا مذاہب اور اب قرآنیہ میں یہ صورت ہے تو نسخ قرآن کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ خدا ہدایت نصیب فرمائے آمین۔

احمد یار خاں عفی عنہ

بوقت نکاح خاوند کی شرائط لکھنے اور پورا نہ کرنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۳

علمائے دین و ہادیان شرع متین مسئلہ ذیل میں از روئے شرع شریف کیا فرماتے ہیں۔ زید کی شادی ہندہ سے
بہ تحریر ایں شرائط ہوئی۔

(۱) مہر حسب المطلب ۵۰۰ ادا کیا جائے گا۔ (۲) نان و نفقہ کا کفیل رہوں گا۔

(۳) زوجہ کی دلجوئی رکھوں گا۔ (۴) چکی وغیرہ پیسنے پر مجبور نہ کروں گا۔

(۵) بصورت انقلاب ناچاقی دس روپے ماہوار گذارے کے لئے دیا کروں گا۔

(۶) بوجوہات مجبوری زوجہ کو تفویض طلاق کا بھی اختیار ہے۔ مولوی سید احمد شاہ از لاہور

(۷) جو ملبوسات خانہ داری اور زیور طلائی و نقرئی میری جانب سے زوجہ کو دیئے گئے ہیں۔ وہ ملکیت زوجہ ہوں گے۔
قبل از نکاح وارثان زوج نے حلفی قول سے اطمینان دلایا کہ زوج پٹواری ملازم ہے اور انگریزی دسویں جماعت پاس
ہے۔ بعد نکاح جو زیور نکاح میں چڑھائے گئے وہ عاریۃً تھے جو کہ دوسرے ہی دن اتار لئے گئے۔ اور ثابت ہوا
کہ نہ تو زوج دسویں جماعت پاس ہے اور نہ پٹواری ہے۔ بلکہ جنگل میں مویشی چراتا ہے۔ ایسی صورت میں زوجہ کو یہ اختیار
کام میں لانے کا اختیار ہے یا نہیں کیونکہ وارثان زوج کی غلط بیانی اور دھوکہ دہی پورے طور پر ثابت ہے۔

الجواب

صورت مذکورہ میں عورت کو طلاق لینے کا حق نہیں۔ جب تک کہ شوہر اپنی طرف سے طلاق نہ دے تب تک
وہ نکاح سے خارج نہیں ہوگی۔ اولاً تو اس لئے کہ سائل کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ شرائط مذکورہ پہلے طے کر
کے پھر ایجاب و قبول ہوا یعنی شرائط نکاح سے پہلے طے ہوئیں لہٰذا یہ نکاح بالشرط ہوا۔ اور نکاح بالشرط میں نکاح صحیح اور

شرائط فاسدہ فاسد رہتی ہیں۔ درمختار میں قبیل باب اول میں ہے۔ ولکن لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد وانما یبطل الشرط دونہ ولکن لو کان النکاح معلقا علی ھذہ الشرط لم ینعقد النکاح کما ھو مصرح فی ھذا المقام۔ نیز نکاح سے قبل زوج خود ہی طلاق دینے کا مالک نہ تھا۔ تو جس کا خود مالک نہ ہو اس کا دوسرے کو کس طرح مالک کرسکتا ہے۔ فان التملیک تفرع عن الملک۔ ہاں اگر زوجہ کی طرف سے ایجاب بشرط تملیک طلاق ہو تو تفویض درست ہے۔ درمختار باب الامر بالید میں ہے۔ نکحہا علی ان امرھا بیدھا صح۔ اس کے ماتحت ردالمحتار میں ہے۔ مقید بما اذا ابتدأت المرأۃ فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید فقال الزوج قبلت اما اذا بدأ الزوج لا تطلق ولا یصیر الامر بیدھا۔

دوم اس لئے کہ تحریر ہے کہ وجوہات مجبوری زوجہ کو تفویض طلاق کا اختیار بھی ہے اس عبارت میں مجبوری کی بناء پر طلاق کی تفویض کا اختیار دیا گیا ہے اور مجبوریوں کی تفصیل بالکل نہیں کی گئی کہ کس قسم کی مجبوری۔ اور ظاہر ہے کہ شوہر کا انگریزی وضع یا جماعت پاس نہ ہونا یا پٹواری نہ ہونا یا زیورات کا عارضہ ہو ایسی مجبوری نہیں جس سے طلاق حاصل کی جاوے۔ اور نکاح جیسی نعمت کو خیرباد کہا جاوے۔ زیور کے بغیر زندگی بے تکلف گذاری جاسکتی ہے

سوم لکھا گیا ہے کہ تفویض طلاق کا بھی اختیار ہے اس میں طلاق کا اختیار نہ دیا گیا بلکہ تفویض طلاق کا اور یہ الفاظ اختیار طلاق کے نہیں کہ اختیار کے لئے الفاظ خاص ہیں۔ درمختار باب تفویض الطلاق میں ہے۔ والفاظ التفویض ثلثۃ تخییر وامر بید ومشیۃ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ بوجوہ ثلثہ مذکورہ بالا عورت کو طلاق لینے کا حق نہیں۔ واللہ اعلم

احمد یار خان غفرلہ

خیار بلوغ کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کے والدین بحالت شیرخوارگی فوت ہوگئے۔ اور پانچ سال کی عمر میں اس کی نانی نے اس کا نکاح کردیا۔ بالغ ہوتے ہی لڑکی نے نکاح کو نامنظور کردیا اور کہا کہ نہ میرا نکاح ہوا اور نہ مجھے منظور۔ نہ مجھے خبر۔ حاکم وقت سے اجازت نکاح ثانی ہوگئی اور انہوں نے نکاح اول فسخ کر دیا اب شرعاً اس کا نکاح ثانی درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

از گجرات

الجواب

صورت مسئولہ میں چونکہ نابالغہ کا نکاح ماں نے کیا ہے۔ اس لئے لڑکی کو خیار بلوغ ملے گا۔ اور بالغ ہوتے ہی فسخ کر سکے گی۔ ہدایہ میں ہے۔ وان زوجہما غیر الاب والجد فلکل واحد منہما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ باب الاولیاء والاکفاء۔ لیکن اس فسخ کے لئے قضائے قاضی ضروری ہے۔ کنز میں ہے۔ ولہما الفسخ بالبلوغ فی غیر الاب والجد بشرط القضاء۔ چونکہ اس زمانہ میں شرعی سلطانی قاضی نہیں۔ اس لئے کسی ایسے احکام کے لئے وہی قاضی ہیں۔ کچہری کے حکام کا حکم اس بارے میں نافذ نہیں۔ کہ ان میں سے اکثر غیر مسلم ہیں اور جو مسلم ہیں وہ قانون انگریزی کے پابند ہیں۔ شرعی احکام نافذ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس صورت میں عالم مذکور کو ہی بعض امور میں قاضی مانا جائے گا۔ شامی کتاب الجہاد (فیما یصیر دار الاسلام دار حرب) میں ہے۔ واما فی بلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی بتراضی المسلمین۔ اسی شامی کتاب القضاء میں ہے۔ واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منہم یجعلونہ والیا فیولی قاضیا ویکون ہو الذی یقضی بینہم۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ صورت مذکورہ میں اگر لڑکی نے بالغ ہوتے ہی اپنا اول فسخ نکاح کر دیا تو کسی باشرع عالم دین سے حکم فسخ لے کر اور حاکم وقت سے جاری کرا کر اور جگہ نکاح کر سکتی ہے واللہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

دوسرے قومے میں ہاتھ چھوڑ کر دعا مانگنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۵

بخدمت شریف جناب مولانا صاحب السلام علیکم۔ واضح رائے عالی ہو کہ جامع مسجد کالری دروازہ گجرات میں سنیت مآب اشفاق احمد نے جدید طریقہ سے صبح کی نماز فرض شروع کر دی ہے یعنی دوسرے قومہ میں ہاتھ چھوڑ کر دعا مانگنی بعدہٗ سجدہ کرنا۔ آپ اس کے جواب میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ مجھے تحریری بحوالہ کتب عنایت فرما دیں۔ والسلام

الجواب

نماز موجودہ میں کسی نماز کے قومہ میں کوئی دعا خواہ قنوت نازلہ ہو یا کچھ اور پڑھنا منع ہے کہ اس سے تاخیر سجدہ لازم آتی ہے سوائے وتر۔ اور کسی نماز میں دعائے قنوت جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ ولا یقنت

فی صلوٰۃ غیرھا۔ اسی میں ہے۔ ولھما انه منسوخ باب الوتر۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قنوت نازلہ پڑھنا ثابت ہے وہ منسوخ ہے۔ کہ صرف ایک ماہ حضور نے پڑھی پھر چھوڑ دی چنانچہ مسلم اور بخاری میں ہے۔ کان اذا اراد ان یدعو علی احد او یدعو لاحد قنت بعد الرکوع حتی انزل اللہ لیس لک من الامر شیء۔ نیز ابوداؤد و نسائی میں ہے۔ قنت شھرا ثم ترکه۔ مشکوٰۃ باب القنوت۔ ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ فجر کے فرضوں میں بعد رکوع دعا پڑھنا منسوخ ہے۔ اور قرآن کریم کی اس آیت سے منسوخ ہے۔ لیس لک من الامر شیء۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ "خواندن ایں قنوت در نماز صبح نمود و در نماز صبح کہ قنوت خواندہ اند در ہمیں قضیہ بود فقط نہ کہ دائمی" اسی اشعۃ اللمعات میں ہے "نیست قنوت نہ در نماز صبح و نہ غیر آں جز در وتر" یعنی وتر کے سوا کسی نماز میں دعاء قنوت نہیں ہے۔ ابن ماجہ ترمذی کی ہے۔ وعن ابی مالک الاشجعی قال قلت لابی انک قد صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان وعلی ھھنا بالکوفۃ نحوا من خمس سنین اکانوا یقنتون قال ای بنی محدث۔ یعنی ابو مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق و فاروق و عثمان غنی و حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی۔ کیا یہ لوگ نماز صبح میں دعا قنوت پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے بیٹے یہ بدعت ہے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ قومہ فجر میں کسی قسم کی دعا پڑھنا منع ہے۔ نیز اس میں فرض یعنی سجدے کی تاخیر ہے۔ یہاں تک کہ جماعت میں امام کے سمع اللہ لمن حمدہ پر مقتدی کہے ربنا لک الحمد۔ امام ربنا لک الحمد نہ کہے۔ جب امام کو ربنا لک الحمد کہنا بھی نہ چاہئے۔ تو اتنی لمبی دعائیں پڑھ کر سجدے میں تاخیر کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ ہدایہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے۔ یقول المؤتم ربنا لک الحمد ولا یقولھا الامام۔ ہاں حنفیہ کے یہاں یہ حکم ہے کہ جب اسلام یا عامۃ المسلمین پر کوئی آفت آئے تو قنوت نازلہ پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں جیسا کہ شامی وغیرہ میں موجود ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس زمانہ میں اسلام یا عامۃ المسلمین پر کون سی ایسی آفت آن پڑی ہے جو چھ ماہ یا ایک سال پیشتر نہ تھی۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ عمر و عثمان و علی و حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شہادت ہوئی۔ اتنا بڑا واقعہ کربلا ہوا۔ مگر کبھی ان حضرات نے ایسے موقعوں پر قنوت نازلہ نماز صبح میں نہیں پڑھی۔ اب واقعہ کربلا سے بڑھ کر کون سا واقعہ ہو رہا ہے۔ جس کے لئے یہ دکھاوا بھی جاری ہے کسی کا جیل میں ہو آنا یا حکومت کا کسی کے خلاف ہو جانا واقعہ الم اسلام نہیں ہے۔ ان ہندوستان میں وہابی غیر مقلد یہ دعا پڑھتے ہیں شاید دیوبندی جو کہ حقیقۃً غیر مقلد ہیں اور صرف مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے حنفی شکل ظاہر کرتے ہیں۔ وہ بھی پڑھتے ہوں غرضیکہ یہ قنوت نازلہ نماز

قبر وغیرہ کو پڑھنا منع ہے عام کتب فقہ میں اس کی ممانعت موجود ہے مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیئے اور آفت ناگہانی کے لئے قنوت چند روز پڑھی جائے نہ کہ ہمیشہ۔ جیسے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ پڑھی۔ اور جیسے کہ استسقاء کو صرف تین دن پڑھی جاتی ہے نہ کہ بارش کے آنے تک۔ پھر بھی بہتر یہی ہے کہ نماز سے خارج پڑھیں۔ اگر بے نازک موقعہ پر نماز فجر میں پڑھیں تو اگرچہ بہتر نہیں مگر جائز ہوگا۔

احمد یار خان غفرلہ

حرمت اور غیر حرمت والی عورتوں کا بیان

فتوی نمبر ۵۶

علمائے دین اس بارہ میں کیا فرماتے ہیں کہ محرمات عورتوں کے پہچاننے کا کیا قاعدہ ہے۔ اور ذی رحم محرم اور حرام عورت میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک عورت کبھی حرام اور کبھی حلال ہو یا حرام ہمیشہ حرام رہے گی اور حلال ہمیشہ حلال۔ اور عورتوں کی تحریم میں کیا مصلحت ہے بینوا توجروا۔

الجواب

عورتوں کی حرمت دو طرح کی ہے۔ اصلی اور عارضی۔ اصلی یہ ہے کہ عورت اصل سے ہی حرام ہو۔ اور عارضی وہ ہے کہ کسی وجہ نے عورت کو حرام کر دیا۔ ورنہ بذاتہ وہ حلال تھی۔ عارضی حرمت پھر دو طرح کی ہے لازم اور غیر لازم۔ لازم وہ جو اب کبھی حلال نہیں ہو سکتی اور غیر لازم وہ کہ اگر یہ عارضہ اٹھ جائے تو عورت حلال ہو جائے۔ عارضی غیر لازم کی کل چار صورتیں ہیں۔

۱۔ عورت کا مشرکہ یا مجوسیہ ہونا کہ اگر آج مسلمان ہو جائے۔ تو اس سے نکاح جائز ہے۔

۲۔ اجنبیہ عورت کا منکوحہ غیر ہونا کہ اگر اس کا شوہر مر جائے یا طلاق دیدے تو حلال ہے۔

۳۔ اس کی بہن پھوپھی خالہ یا بھانجی بھتیجی کا اپنے نکاح میں ہونا اس کی موجودگی میں ان سے نکاح ناجائز ہے۔ لیکن اگر اس کو طلاق دیدی یا مرگئی۔ تو ان سے نکاح جائز ہے۔

۴۔ کسی مرد کے نکاح میں چار عورتوں کا ہونا تمام عورتوں کے نکاح کو حرام کرتا ہے۔ مگر اگر ان چاروں میں سے ایک بھی مر جائے تو فوراً ہی اور ایک کو طلاق دے دی تو عدت کے بعد دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ حرمت لازمہ کی چند صورتیں ہیں۔

۱۔ ولد یا باپ کا اس عورت سے نکاح وطی یا مس بشہوت کرنا اولاد پر ہمیشہ کے لئے عورت کو حرام

کر دے گا۔

- کسی کی بیٹی سے نکاح یا وطی کر لینا۔
- کسی کی ماں سے نکاح کر لینا اور وطی کرنا کہ ان سے حرمت دائمی یعنی عارضی لازمی ثابت ہوگی۔
- اپنے بیٹے کا کسی عورت سے نکاح یا وطی کر لینا وغیرہ۔ حرمت اصلیہ اور لازمہ کی کل تین وجہیں ہیں۔

نسب۔ مصاہرت۔ رضاعت۔ نسب کی کل چار عورتیں محرم ہیں۔ اپنے اصول اپنے فروع۔ اصول قریبہ کے فروع۔ اصول بعیدہ کے فروع قریبہ باقی تمام حلال۔ مصاہرت سے کل دو صورتیں محرم ہیں۔ بیوی کے اصول اور اس کے فروع۔ اپنی رضاعی ماں کے اصول اور فروع اسی طرح رضاعی باپ کے تمام اصول و فروع مثل نسب کے حرام ہیں۔ یعنی چار جہتوں سے حرمت آئے گی۔ مگر رضاعت میں شرط ہے کہ ڈھائی سال کی عمر میں منہ کے راستہ سے عورت کا دودھ بچہ کے پیٹ میں پہنچے خواہ عورت مردہ ہو یا زندہ اگر دودھ کا حقنہ یا پستی یا بالائی پیٹ میں گئی۔ یا پاخانہ پیشاب کے مقام یا ناک کان سے پیٹ میں گیا۔ تو اس سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ نسب کی جہت سے جو عورتیں حرام ہیں ان کو رحم اور محرم کہتے ہیں۔ یعنی ان سے رحمی رشتہ بھی حاصل ہے اور محرمیت بھی۔ اس کے علاوہ اور جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہوں۔ وہ محرم تو ہیں۔ مگر ذی رحم نہیں۔ ذی رحم محرم سے پردہ واجب نہیں اور اس کے ساتھ سفر اور خلوت جائز اور محرم غیر ذی رحم سے پردہ تو واجب نہیں۔ مگر ان سے خلوت اور ان کے ساتھ سفر جائز نہیں۔

عورتوں کی تحریم میں چند مصلحتیں ہیں۔ اولاً تو محرمات سے نکاح عقلاً بے غیرتی ہے کہ کفار بھی اس کو روا نہیں سمجھتے اور بعض جانور بھی ماں وغیرہ سے بچتے ہیں۔ دوم یہ کہ ماں مخدومہ ہے اور بہن مساوی حقوق والی۔ اگر ان سے نکاح ہو۔ تو بیوی خادمہ ہوتی ہے اور مخدومہ یا مساویہ کو خادمہ بنانا ناجائز ہے۔ اسی لئے شوہر سے غلاموں کی طرح خدمت لینا عورت کو جائز نہیں۔ نیز باپ اور ماں کو نوکر رکھ کر مثل نوکروں کے کام لینا منع ہے۔ نیز اب جو ایسے نکاح سے بچے ہو۔ اس کا بھائی کہا جاوے یا بیٹا بھانجا۔ ماں اور بہن کے پیٹ ہونے کی حیثیت سے تو چاہیئے کہ اس کو بھائی یا بھانجا کہا جاوے اور نطفہ اپنا ہونے کی حیثیت سے اس کو بیٹا کہا جاوے۔ اگر منکوحہ ماں مر جاوے تو اس کے مال سے شوہر کی میراث حاصل کرے۔ یا بیٹے کی اور اگر خود مر جائے۔ تو ماں بیوی ہونے کی میراث سے یا ماں ہونے کی معاذ اللہ! غرضکہ بہت سی قباحتیں لازم ہیں۔ ذی رحم اور محرم کے کچھ خصوصیات اور بھی ہیں اپنی ملکیت میں آنے پر آزاد ہونا۔ عاجز اور فقیر کا نفقہ

اپنے پر واجب ہونا اور ایسے صغیر بن غلاموں کی بیع میں تفریق منع ہونا نیز ان سے ہبہ واپس نہ کر سکنا۔ دیکھو پوری بحث روح البیان تفسیر وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ میں۔

احمد یار خان غفرلہ

تقلید شخصی کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تقلید شخصی کرنا کیسا ہے۔ غیر مقلد تقلید پر چند طرح اعتراض کرتے ہیں

۱۔ اولاً تو یہ کہ اگر تقلید ضروری ہوتی تو صحابہ کرام ضرور کرتے حالانکہ کوئی کسی کا مقلد نہیں؟

۲۔ دوم قرآن حدیث کافی راہبر ہیں۔ پھر تقلید کی کیا ضرورت؟

۳۔ سوم یہ کہ قرآن نے تقلید کرنے والوں کی مذمت کی۔ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ مصطفےٰ علیہ السلام سیدھی راہ ہے اور دیگر راہ ٹیڑھے نیز کہتے ہیں ؎

دین حق را چار مذہب ساختند ٭ رخنہ در دین نبی انداختند

از گوجرہ

ان دلائل کے جوابات مع دلائل اور بہتر ہو کہ قرآن و حدیث سے ہی دیئے جاویں۔ بینوا توجروا

الجواب

اس قسم کے شبہات کے جوابات کے لئے چند امور ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔ پھر جواب آسان ہے۔ تقلید کسے کہتے ہیں۔ تقلید کتنی قسم کی ہے۔ کون سی تقلید ضروری ہے کون سی ممنوع۔ تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں؟

۱۔ تقلید کی تعریف: ہے کسی کے قول و فعل کی پیروی کرنا۔ یا کسی کے قول و فعل کو دلیل بنانا بغیر دلائل شرعیہ میں نظر کئے اور لغوی معنے ہیں گلے میں ہار ڈالنا۔ یہ بھی اطاعت پر دلالت کرتا ہے۔ شرعی تعریف یہ ہے۔ التقليد اتباع الرجل غيره فيما سمعه يقول او في فعله على زعم انه محقق بلا نظر في الدليل۔ منقول از حاشیہ حسامی باب متابعۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۸۳۔ اس تعریف سے اطاعت خدا و رسول نکل گئی کیونکہ ان کے کلام اور افعال خود دلیل شرعی ہیں۔ اور تقلید میں قید

سے کہ نظر فی الدلیل ذکر ہے۔ اسی لئے ہم حضور علیہ السلام کے امتی ہیں۔ مقلد نہیں۔ مقلد تو ائمہ مجتہدین کے ہیں

۲۔ تقلید دو قسم کی ہے۔ تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو امور شرعیہ میں کسی کی اتباع کرنا ہے۔ غیر شرعی علاوہ امور شرعیہ کے دوسرے امور میں کسی کی پیروی کرنا جیسے مسائل طب میں بو علی سینا کی اتباع کریں۔ تقلید شرعی کی بھی دو صورتیں ہیں۔ مخالف اور غیر مخالف شریعت

۳۔ تقلید غیر شرعی جو مخالف شریعت نہ ہو جائز ہے جیسے کہ نحو اور طب میں کسی خاص امام متقدمین کی پیروی اور جو خلاف شریعت ہو وہ حرام ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوا سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ نیز فرماتا ہے۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا نیز فرماتا ہے وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔ یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات اسی تقلید کے بارے میں آئیں۔ یہی مراد اس آیت سے ہے جو وہابیہ نے پیش کی۔ کفار مقابل انبیاء اپنے آباء و اجداد کی تقلید مقدم رکھتے تھے۔ وہ یقیناً جرم اور کفر تھا۔ چنانچہ پوری آیت یہ ہے۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ نیز فرمایا گیا۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا۔ رہی تقلید شرعی اس کا قرآن کریم میں جگہ جگہ حکم ہے فرماتا ہے۔ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ۔ اتباع صحابہ ضروری ہوئی نیز فرماتا ہے۔ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ یہاں اولی الامر سے مراد مجتہدین ہیں۔ نہ فقط سلاطین کیونکہ اس کا عطف الرسول پر ہے اور معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ نبی کی تابعداری قول و فعل ہر طرح واجب ہے مگر سلطان کی اطاعت ہر طرح واجب نہیں۔ لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق تو لامحالہ تقلید شرعی مراد ہے۔ نیز دارمی باب الاقتداء بالعلماء میں ہے۔ اخبرنا یعلی قال ثنا عبد الملک عن عطاء اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولی الامر منكم قال اولوا العلم والفقه۔ نیز قرآن کریم فرماتا ہے۔ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ خازن میں ہے فاسئلوا المؤمنين العالمين من اهل القرآن۔ درمنثور میں اسی آیت کے تحت ہے۔ اخرج ابن مردويه عن انس قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الرجل يصلى ويصوم ويحج و يغزو وانه لمنافق قيل يا رسول الله بما ذا دخل عليه النفاق قال لطعنه على امامه وامامه من قال الله فی کتابه فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ جماعت مجتہدین کا ذکر کیجئے۔ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ

يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۔ نیز فرماتا ہے۔ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۔ مسلم جلد اول صفحہ ۵۴ ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ قلنا لمن قال للہ ولرسولہ ولکتابہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم ۔ امام نووی فرماتے ہیں۔ ان من نصیحتھم قبول ما رووہ وتقلیدھم فی الاحکام ۔

دلائل شرعیہ مجتہدین کے لئے چار ہیں ۔ قرآن کریم ۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجماع امت ۔ قیاس مجتہد ان سب کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہے ۔ قرآن وحدیث واجماع امت تو مستقل دلیل ہیں اور قیاس ان تینوں سے مستنبط اور ان کے احکام کا مظہر ہے ۔ قرآنی فرقہ کا صرف قرآن کو دلیل ماننا اس آیت سے ہے کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اور فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۔ مگر یہ باطل ہے ۔ اس لئے کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ نیز فرماتا ہے۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ نیز فرماتا ہے ۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ جن سے معلوم ہوا کہ اطاعت پیغمبر بھی ضروری اور لازم ہے ۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ میں حکم حقیقی مراد ہے جیسے کہ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ میں ملک حقیقی مراد ہے کہ دوسرے بھی مالک مجازی ہیں ۔ اسی طرح فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ میں احادیث کفار جو مقابل قرآن ہیں مراد ہیں نہ کہ حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اسی طرح وہابی غیر مقلد صرف قرآن وحدیث کو دلیل شرعی مانتے ہیں ۔ اجماع اور قیاس سے منکر ہیں یہ بھی باطل ہے ۔ اجماع کے متعلق قرآن فرماتا ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۔ نیز حدیث پاک میں آتا ہے ۔ اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار ۔ نیز حدیث میں ہے ما راٰہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن ۔ مشکوٰۃ ۔ نیز خلافت صدیقی وفاروقی اجماع امت سے ثابت ہوئی اب جو ان کی خلافت کا منکر ہے کافر ہے حالانکہ ان خلافتوں پر کوئی صریح آیت یا حدیث متواتر نہیں آئی ۔ نیز سرکار فرماتے ہیں کہ جماعت مسلمین کو پکڑے رہو ۔ بھیڑیا گلے سے علیحدہ بکری کو کھاتا ہے ۔ وہابی قیاس کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ قیاس ظنی چیز ہے اور ظن کو قرآن میں گناہ کہا گیا ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۔ نیز قرآن وحدیث میں کیا چیز نہیں جو قیاس کی ضرورت پڑی ۔

ہوتے ہوئے مصطفےٰ کی گفتار ۔ مت مان کسی کا قول و کردار

یہ بھی باطل محض ہے۔ قیاس کا حکم قرآن میں دیا گیا۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام نے قیاس فرمائے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔ کفار کے احوال سن کر اپنے کو قیاس کرو کہ اگر ہم بھی ان کی طرح ہوئے تو ہمارے بھی یہی حال ہوں گے۔ قیاس پر بخاری میں ایک باب ہے باب من شبه اصلا معلوما باصل مبين قد بين الله حكمهما ليفهم السائل۔ اسی میں نقل کیا۔ ان امرأة جاءت الى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت ان امي نذرت ان تحج فماتت افاحج عنها قال نعم حجي عنها ارأيت لو كان على امك دين اكنت قاضيته قالت نعم قال اقضوا الذي له فان الله احق بالقضاء۔ ابو داؤد جلد دوم صفحہ ۱۴۹ اور ترمذی و دارمی میں ہے کہ جب حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھیجا۔ تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے معاذ نے آخر میں فرمایا۔ قال اجتهد برأيي ولا آلو قال فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم على صدره وقال الحمد لله الذي وفق رسول رسوله لما يرضى به رسول الله۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیاس فرما کر اس عورت کو مہر مثل دلوایا جو بغیر مہر نکاح میں آئی تھی اور شوہر مر گیا تھا۔ دیکھو نسائی جلد دوم صفحہ ۸۸۔

۲: جس ظن کی قرآن کریم میں برائی آئی ہے، وہ یعنی بدگمانی کرنا ہے مسلمان پر۔ اسی لئے آگے ذکر ہے۔ وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔ نیز قرآن نے بعض ظن کو برا کہا۔ بلکہ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ فرمایا۔ بے شک وہ ظن برا ہے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو۔

۳: قرآن وحدیث میں ہر چیز ہے۔ مگر اس سے نکالنے کے لئے قیاس کی ضرورت ہے۔ سمندر میں موتی ہے کتب طب میں بھی نسخے ہیں۔ مگر نکالنے کے لئے غوطہ خور اور طبیب کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح قیاس کی ضرورت ہی تو چکڑالوی کہتا ہے کہ قرآن میں سب ہے پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ۔ جیسے قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے۔ ویسے ہی حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کی ضرورت ہے۔ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت۔ اگر قیاس واجماع معتبر نہ ہوں تو عورت سے اغلام کرنے کی حرمت مرشد کی ماں کی حرمت کہاں سے ثابت ہوگی۔ ہزاروں مسائل قیاسیہ ہیں۔ جیسے کہ ریل میں نماز وغیرہ سب کا راستہ بند ہو جائے گا۔ جب یہ چاروں باتیں حل ہو گئیں تو جواب بالکل واضح ہے۔

۴: صحابہ کرام کو تقلید کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو فیض صحبت مصطفیٰ علیہ السلام کی وجہ سے مخلوق کے امام اور متبوع اور مقتدی ہیں۔ تقلید کی ضرورت ہم جیسے ناقص علم والوں کو ہے نہ کہ مجتہدین کو۔ حدیث میں ہے۔ اصحابی کالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم نیز فرمایا گیا کہ عليكم بسنتي وسنة الخلفاء

الراشدین۔ یہ تو ایسا ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ ہم تو کسی کے اُمتی نہیں کیونکہ ہمارے نبی کسی کے اُمتی نہیں۔ تو کہا جاتے گا کہ بے وقوف غیر نبی اُمتی ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام تو نبی الانبیاء ہیں۔ اسی طرح غیر مجتہد مقلد ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تو مجتہد اور امام ہیں۔

۵ قرآن و حدیث بے شک کافی ہیں۔ مگر جب ان سے استنباط مسائل کی طاقت ہو۔ قرآن حفظ کے لئے آسان ہے نہ کہ اجتہاد کے لئے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ میں حفظ ہی مراد ہے

۶ کا جواب معلوم ہو گیا۔

۷ چوتھا سوال بڑا دھوکہ ہے۔ یہ چار راستے حضور علیہ السلام کے راستے سے علیحدہ نہیں۔ بلکہ ایک جھیل سے نکلے ہوئے چار دریا ہیں ع

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار ∴ سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب و خاک و باد سب کا انہی سے ہے ثبات ∴ چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

ورنہ پھر تو غیر مقلد بھی ایک پانچواں سوار علیحدہ فرقہ ہے ان کی جماعتیں ثنائی اور غزنوی سب بیدین ہو گئیں ع

مسجد دو خشت علیحدہ ساختند ∴ فتنہ در دین نبی انداختند

لطیفہ

وہابی زمانہ ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ مقلد کہتے ہیں کہ چاروں مذہب حق ہیں۔ اولاً تو یہ ممکن نہیں امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک امام کے پیچھے قرأۃ مکروہ تحریمی ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک واجب یہ کیسے ممکن ہے کہ قرأۃ خلف الامام واجب بھی ہو مکروہ تحریمی بھی۔ ثانیاً یہ مان بھی لیا جاوے۔ تو پھر امام کی پیروی کیسے چاہیئے یعنی کسی مسئلہ میں حنفی کی اور کسی میں شافعی مالکی وغیرہ کی۔ یہ بھی محض دھوکہ ہے۔ چاروں مذہب کے حق ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سب مطابق واقعہ ہیں۔ یہ تو غیر ممکن ہے۔ بلکہ حق کے یہ معنی ہیں کہ کسی کی گرفت عنداللہ نہیں۔ مجتہد اگر غلطی کرے تب بھی ثواب پاتا ہے۔ ان چاروں میں سے جو کوئی مطابق واقعہ نہ ہو عنداللہ مغفور ہے۔ حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قتال واقع ہوا۔ اسی طرح صدیقہ الکبریٰ اور مولیٰ علی رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جنگ ہوئی۔ کیا معاذ اللہ ان میں سے کسی کو باطل پر یا فاسق پر مانا جا سکتا ہے۔ الصحابۃ کلھم عدول بلکہ دونوں فریقوں کو حق پر مانا جاوے گا۔ اس معنی سے کہ کوئی بھی معذب نہیں کیونکہ خطا اجتہادی ہے اسی طرح صحابہ کرام کے اختلاف ہی کے بارے میں کہا گیا بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ نیز جنگل میں قبلہ کی خبر نہ ہوئی۔ تحری کر کے چار رکعت چار سمتوں میں پڑھی۔ چاروں رکعتیں ہو گئیں۔ اگرچہ قبلہ ایک ہی طرف ہے مگر خطا اجتہادی معاف ہے۔

یہ قول کہ ایک کی تقلید کیوں کرتے ہیں۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔ اولاً یہ کہ مسلم نووی جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ میں روایت ہے کہ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں۔ من اتاکم و امرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ۔ اس میں مراد صرف دنیاوی احکام نہیں بلکہ دینی احکام بھی ہیں اور یہ مجتہدین بھی ہیں کیونکہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق خود مسلم نے کتاب الامارات میں باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ و تحریمہا فی معصیۃ منعقد کیا۔ بہرحال اس حدیث سے ثابت ہے کہ ایک امام کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ افضل واعلم کے ہوتے مفضول کی تقلید جائز نہیں حدیث میں ہے۔ من تولی امر المسلمین شیئاً فاستعمل علیہم رجلا و یعلم ان منہم من ہو اولیٰ بذالک واعلم منہ بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ فقد خان اللہ و رسولہ وجماعۃ المسلمین فتح القدیر وغیرہ مسلم جلد اول صفحہ ۵۴ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ قلنا لمن قال للہ ولرسولہ ولکتابہ ولائمۃ المسلمین وعامتہم۔ اس جگہ نووی میں ہے۔ ان من نصیحتہم قبول ما رووہ وتقلیدہم فی الاحکام۔ بخاری میں ہے۔ اذا اسند الامر الی غیر اہلہ فانتظر الساعۃ نیز ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا۔ لا تسئلونی ما دام ہذا الحبر فیکم۔ ہدایہ جلد اول صفحہ ۲۰۶ جس کی ہم اب تقلید کر رہے ہیں۔ اس کو افضل سمجھ کر کر رہے ہیں تو دوسرے کا مسئلہ لیا وہ کیوں؟

تقلید کا علم تحری کا سا ہے کہ ایک تحری کسی دلیل پر مبنی ہو۔ تو جب تک تحری یا دلیل نہ بدلے اس کو چھوڑنا جائز نہیں۔ اگر کوئی جنگل میں ہو جہاں قبلہ مشتبہ ہو اسی نیت سے نماز پڑھے کہ چار رکعتیں چار طرف پڑھوں تو نماز نہ ہوگی۔ نیز ایسا شخص متبع ہوا ہے کہ جس میں اپنی آسانی دیکھتا ہے اسی کی پیروی کرتا ہے۔ نیز اس میں تلفیق لازم آتی ہے جس کی تفصیل شامی میں ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

نبی کریم کے چار یار کے مراتب کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرا عقیدہ ہے کہ بعد نبی کے حضرت علی امیر المؤمنین کی شان سب خلقت سے زیادہ ہے اور خصوصاً اصحاب ثلاثہ سے۔ میں بارہ اماموں کو امام معصوم مانتا ہوں۔ ان تمام کی شان بھی اصحاب ثلاثہ سے زیادہ سمجھتا ہوں اور ان کی عزت کرتا ہوں۔ مگر ان کو امام حق نہیں جانتا۔ اور نہ ہی بارہ امام

معصومین کے برابر۔ کیا میں اہل سنت والجماعت ہو سکتا ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جس کا یہ عقیدہ ہو وہ مرتد کافر اور اسلام سے خارج ہے پکا تبرائی رافضی ہے اور یہ جو کہتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی شان بھی بہت زیادہ سمجھتا ہوں محض اس کا تقیہ ہے۔ جب ان اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو حق نہیں سمجھتا۔ قرآن کو معاذ اللہ خائن اور غاصب مانتا ہے۔ کیا خائن اور غاصب آدمی شان دار ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ کلمات صرف اہل اسلام کو پھنسانے کے لئے کہہ رہا ہے۔ حضرت صدیق و فاروق کی خلافت کو تسلیم نہ کرنے والا کافر مطلق ہے کیونکہ ان کی خلافت اجماعی قطعی ہے۔ حضرات اہل بیت عظام و تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو تسلیم کیا۔ اگر ان خلافتوں میں ذرہ برابر باطل کا شائبہ بھی ہوتا تو ذوالفقار حیدری اس طرح میان سے نکل آتی جس طرح کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نکلی اور دستِ حسین ان کی بیعت سے علیحدہ رہتے جس طرح کہ یزید پلید کی بیعت سے۔ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالی عنہ پر تقیہ کا الزام لگانا اس ذات کریم کے ساتھ انتہا درجہ کی دشمنی کا ثبوت ہے۔ کیونکہ تقیہ مذکورہ یا تو بزدل کرے گا یا محض منافق۔ میدان کربلا میں باوجود اس قدر دشواریوں کے حضرت امام مظلوم رضی اللہ تعالی عنہ کا تقیہ نہ فرمانا اس عقیدہ کی جڑ کاٹتا ہے۔ نیز سوائے انبیائے کرام اور ملائکہ کے کسی کو معصوم ماننا بھی گمراہی ہے۔ حق تعالی فرماتا ہے۔ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۔ اس سے ثابت ہے کہ حضرات اہل بیت معصوم نہیں۔ محفوظ ہیں۔ معصوم تو وہ جس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہ ہو سکے۔ اگر ان میں کوئی خطا تھی ہی نہیں تو جس کو دور کرنے کے کیا معنی؟ دور وہ چیز کی جاتی ہے جو موجود ہو اور اگر یہ آیت عصمت ثابت کرتی ہے تو ازواج مطہرات بھی معصوم ہوں جاتی ہیں کہ وہ اہل بیت سکونت ہیں اور اس آیت میں نیز اصحاب بدر کے بارے میں فرمایا گیا۔ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ ۔ یہاں بھی پلیدی دفع کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ لہذا ان کو معصوم ماننا لازم آئے گا۔ غرضیکہ یہ عقیدہ بھی باطل محض ہے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے افضل ماننا گمراہی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت صدیق کو اپنا جانشین یعنی امام نماز مقرر فرمایا کہ جس جگہ ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ موجود ہوں۔ وہاں کسی کو امامت کا حق نہیں۔ ظاہر ہے کہ امام افضل کو بنایا جاتا ہے جس سے افضلیت صدیق بخوبی واضح ہوئی۔ واللہ ورسولہ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

مصیبت میں غیر اللہ کو پکارنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مخالفین کہتے ہیں کہ ناگہانی حالات میں یا مصیبت اور تکلیف کے وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو امداد کے لئے پکارنا شرک ہے اور تم لوگ اپنے پیر کو پکارتے ہو۔ لہٰذا مشرک ہو۔ آیات پیش کرتا ہے۔ وَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ۔ آیا یہ صحیح ہے یا غلط۔

الجواب

مصیبت و تکلیف کے وقت اولیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور ان سے مدد چاہنا شرعاً جائز ہے۔ ان کی مدد درحقیقت خدائے قدوس کی ہی مدد ہے۔ کیونکہ یہ حضرات عون الٰہی کے مظہر ہیں۔ آیات مذکورہ میں مخالفین نے دھوکا دیا۔ ان آیات میں لا تدعوا بمعنی لا تعبدوا ہے۔ اس پر مفسرین کا اتفاق ہے۔ یعنی خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور کوئی مسلمان کسی غیر خدا کی عبادت نہیں کرتا۔ اگر کسی کو پکارنا شرک ہے تو نماز میں التحیات میں السلام علیک ایھا النبی کیوں پڑھا جاتا ہے۔ خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو نماز حاجت کے بعد اس دعا کی تعلیم فرمائی۔ یا رسول اللہ انی توجہت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی (ابن ماجہ) تمام صحابہ کرام حضور علیہ السلام کو پکارا کرتے تھے۔ نیز مولانا جامی فرماتے ہیں۔ ترحم یا رسول اللہ ترحم۔ امام البوصیری فرماتے ہیں۔

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ ۔۔۔ سواک عند حلول الحادث العمم

خود مخالفین کے سردار مولوی قاسم صاحب نے لکھا ہے۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا ؎ نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

نیز اگر غیر خدا کو پکارنا شرک ہے تو ماں باپ بھائی اولاد نوکر چاکر زندہ مردہ سب ہی کو پکارنا شرک ہوگا کیونکہ یہ سب ہی غیر خدا ہیں۔ خدائے پاک فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ۔ یا عیسٰی۔ یا موسیٰ۔ وغیرہ تو خدا پر کیا حکم لگے گا۔ پھر ہر آدمی اپنے نوکر چاکر ماں باپ کو پکارتا ہی ہے۔ رہا غیر خدا سے مدد مانگنا تو خود خدا فرماتا ہے۔ اَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ فرماتا ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ فرماتا ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اَسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ ۔ ان تمام میں غیر خدا سے ہی مدد طلب کی گئی ہے ۔ اس کا حکم دیا گیا ہے ۔ نیز فرماتا ہے ۔ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ فرماتا ہے ۔ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ ۔ فرماتا ہے ۔ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۔ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں ۔ اللّٰہ معطی و انا قاسم ۔ حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے عرض کی اسئلك مرافقتك فی الجنۃ دیکھو مشکوٰۃ باب السجود نیز فرماتے ہیں ۔ واوتیت مفاتیح خزائن الارض ۔ غرضیکہ آیات و احادیث میں اختیارات مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ثبوت ہے جب اختیار ہے تو مانگنا برا نہیں لہٰذا مسلمانوں کو اس بنا پر مشرک کہنا سخت بے دینی ہے ۔ اس کے لئے فقیر کی کتاب جاء الحق کا بغور مطالعہ کرو ۔ واللّٰہ ورسولہ اعلم ۔

احمد یار خان عفی عنہ

مرزائی اور مسلمان جج کے فسخ کئے ہوئے نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر ۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی عبدالرحیم کا نکاح مسماۃ رابعہ بی بی سے ہوا مسماۃ مذکور گیارہ سال تک اس شوہر کے نکاح میں رہی ۔ ایک لڑکی بھی اس سے پیدا ہوئی پھر کچھ ناچاقی ہو گئی اور مسماۃ کے والد مستری فضل الٰہی نے درخواست فسخ نکاح کچہری میں دے کر نکاح فسخ کرا لیا ۔ حافظ محمد عالم و عنایت شاہ صاحبان نے فتوے دے دیا کہ اگر حاکم جج مسلمان تھا تو نکاح اول فسخ ہو گیا ۔ تو گواہوں نے قسم کھائی کہ جج مسلمان تھا لہٰذا بعد عدت رابعہ کا دوسرا نکاح کر دیا گیا ۔ جس نکاح کو دس ماہ ہو چکے اب بعد میں معلوم ہوا کہ جج مرزائی تھا ۔ اب وہ علماء یہی کہتے ہیں کہ چونکہ جج مسلمان نہیں تھا ۔ اس لئے نکاح اوّل فسخ نہیں ہوا تھا ۔ اور یہ نکاح ثانی درست نہیں ہوا ۔ لہٰذا گذارش ہے کہ از روئے شریعت فرمایا جاوے کہ ان نکاح کنندگان اور جھوٹی قسم کھانے والوں کا کیا حکم ہے ۔

الجواب

صورت مذکورہ میں مسماۃ رابعہ بی بی کا نکاح ثانی باطل ہے اور اس کا نکاح پہلا بدستور قائم ہے ۔ تا وقتیکہ پہلا شوہر طلاق نہ دے اس کا دوسرا نکاح درست نہیں ہو سکتا ۔ اور اس دوسرے شوہر کے پاس رابعہ کا رہنا سہنا سب ناجائز ہے ۔ نیز حافظ محمد عالم اور مولوی عنایت شاہ صاحبان کا یہ فتویٰ محض غلط ہے ۔ ان ہر دو صاحبان کو لازم ہے کہ بغیر علم تام فتویٰ نہ دیا کریں اس لئے کہ جج بعض خاص صورتوں میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے اس میں قاضی اسلام کا فیصلہ ضروری ہے ۔ خصوصاً جبکہ دوسرے

مذہب شافعی وغیرہ پر عمل کیا ہو۔ وہاں تو اس کی اشد ضرورت ہے اور موجودہ زمانہ کے حکومت انگلشیہ کے جج خواہ مسلمان ہوں
یا کافر مرزائی وغیرہ مرتد ہوں یا کوئی اور، قاضی اسلام نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ان کو ان اسلامی فیصلوں کا شرعاً حق حاصل ہے۔ جن
میں قضاء کے قاضی ضروری ہے۔ ان ہر دو مفتیان نے یہ سمجھا ہے کہ جو بھی حاکم جج مسلمان ہو وہ قاضی ہے۔ یہ درست نہیں
شریعت میں قاضی وہ کہلاتا ہے کہ جو مسلمانوں میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ عالمگیری کتاب
آداب القاضی میں ہے۔ وادب القاضی التزامہ لما ندب الیہ الشرع من بسط العدل ورفع
الظلم وترک المیل والمحافظۃ علی حدود الشرع والجری علی سنن السنۃ۔ اسی عالمگیری باب
الجمعۃ میں ہے۔ والمصر فی ظاہر الروایۃ الموضع الذی فیہ مفت وقاض
یقیم الحدود وینفذ الاحکام۔ درمختار باب الجمعۃ میں ہے۔ انہ کل موضع لہ امیر و
قاض یقدر علی اقامۃ الحدود۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ افرد الضمیر لعودہ الی
القاضی لان ذالک وظیفۃ۔ درمختار کتاب آداب القاضی میں ہے۔ ویجوز تقلد القضاء
من السلطان العادل والجائر ولو کافراً الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم ولو فقدوا
والیاً لغلبۃ الکفار وجب علی المسلمین تعیین وال وامام للجمعۃ اس کے تحت میں
ہے۔ لکن اذا ولی الکافر علیہم قاضیاً ورضیہ المسلمون صحت تولیتہ بلاشبہۃ ان
عبارات سے معلوم ہوا کہ قاضی وہ مسلمان شخص ہے جس کو حدود شرعیہ جاری کرنے اور احکام شریعت نافذ کرنے
کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ مقرر کرنے والا خواہ سلطان اسلامی ہو یا کافر بادشاہ یا جماعۃ المسلمین۔ البتہ جماعۃ المسلمین
کا مقرر کیا ہوا قاضی شرعی سزائیں رجم وقطع ید وغیرہ نہیں جاری کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کو حکومت حاصل
نہیں۔ صرف اقامت عیدین وجمعہ وغیرہ۔ وہ احکام جاری کر سکتا ہے۔ جن میں حکومت کی ضرورت نہیں۔ اب
دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ جج وغیرہ حکام خواہ مسلمان ہوں یا کفار آیا اسلامی قانون جاری کرنے کے لئے مقرر کئے گئے
ہیں۔ یا انگریزی حکومت کے قوانین۔ بالکل ظاہر ہے کہ ان کا تقرر انگریزی حکومت کے قوانین جاری کرنے کے
لئے ہے۔ جو بھی حاکم آئے گا ان ہی قوانین کے مطابق فیصلہ کرے گا جو تعزیرات ہند وغیرہ میں نمبروار لکھے ہیں۔ نہ
وہ قوانین جو ہدایہ وشامی وغیرہ میں ہیں۔ اسی لئے ان کو تعزیرات ہند کا ازبر یاد ہونا ازبس ضروری ہے اور اسی کی سند ان
کو لازم ہے۔ شامی وعالمگیری وہدایہ وغیرہ سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ اور نہ اس پر ان کی ملازمت موقوف۔ اور اگر
کسی قانون اسلامی کو حکومت انگلشیہ نے منظور کر کے اپنا قانون بنایا ہے۔ تو اب جج صاحب اس لئے اس قانون کو جاری
کریں گے کہ یہ تعزیرات ہند کا جزو بن چکا۔ نہ اس لئے کہ یہ اسلامی قانون ہے۔ ورنہ دوسرے اسلامی قوانین رجم وغیرہ
کیوں نہیں جاری کرتے۔ بہر حال یہ حکام قاضی اسلام نہیں۔ اور ان کو ان قوانین کے جاری کرنے کا کوئی حق

نہیں ۔ اس کا انجام تو یا نفی اسلام پر موقوف ہے ۔ جیسے کہ فسخ نکاح وغیرہ لہٰذا یہ نکاح قطعی باطل ہے اور اس کا گناہ جس طرح لڑکی پر ہے اسی طرح اس پر مدد مولوی صاحبان پر بھی ہے ۔ واللہ اعلم

احمد یار خان نعیمی

آٹھ رکعت اور بیس رکعت تراویح کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ بخاری شریف اور مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ تراویح پڑھتے تھے چنانچہ بخاری میں ہے کہ کسی نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ ۔ کیف کان صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان تو آپ نے جواب دیا ۔ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ ۔ تو سوال یہ ہے کہ تراویح کتنی رکعت پڑھی جائے ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب

تراویح بیس رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے ۔ بعونہٖ تعالیٰ اولاً اس کے دلائل بیان کروں گا ۔ پھر مخالفین کے جوابات بیس رکعت تراویح پڑھنے کے چار دلائل ہیں ۔ ایک روایات اور تین عقلی اشارات ۔ اولاً عقلی دلائل مختصر عرض کروں پھر روایات بیان کرتا ہوں ۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے ۔

۱ ۔ تراویح جمع ہے ترویحہ کی اور ترویحہ کے معنی ہیں راحت دینا تو تراویح میں چار رکعت پر جو کسی قدر بیٹھتے ہیں آرام کے لئے اس کو ترویحہ کہتے ہیں ۔ اور چونکہ اس نماز میں استراحت کئی بار ہوتی ہے ۔ اس لئے نماز کا نام تراویح یعنی راحتوں کا مجموعہ ہوا تو اگر تراویح فقط آٹھ رکعت ہوتیں تو ان کے درمیان صرف ایک ترویحہ ہوتا ۔ اس کا نام تراویح نہ ہونا چاہیئے تھا کیونکہ تراویح جمع ہے اور جمع کم سے کم تین پر بولی جاتی ہے ۔ ماننا پڑے گا کہ تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ ہے ۔ گویا تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی تردید کرتا ہے ۔

۲ ۔ قرآن پاک میں جو رکوع بنے ہیں اس کا مطلب کیا ہے ۔ رکوع تو جھکنے کو کہتے ہیں پھر قرآن کے حصوں کو رکوع کیوں کہا گیا ۔ یہ وجہ ہے کہ عہد عثمانی میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے اتنے حصے کا نام رکوع رکھ دیا گیا ۔ یعنی اس قدر پڑھ کر رکوع ہوا ۔ اور آپ روزانہ بیس رکعت تراویح میں بیس رکوع پڑھتے اور ستائیس رمضان کو قرآن ختم کر دیتے کل رکوع ۵۴۰ ہوتے اب بھی قرآن میں رکوع ۵۴۰ ہیں ۔ یعنی بعض رکعات میں چھوٹی سورتیں چار پانچ اس سے وہ رکوع فی رکعت ہو گئے ۔ اگر تراویح آٹھ رکعت

ہوتیں۔ تو قرآن کے رکوع ۲۱۶ ہونے چاہیئے تھے۔ قرآن کے رکوع کی تعداد نے بتادیا کہ تراویح آٹھ رکعت نہیں۔

۳ مسلمان روزانہ بیس رکعت فرض و واجب ادا کرتا ہے یعنی ۱۷ فرائض اور تین وتر واجب اور رمضان میں رب تعالیٰ نے ان بیس رکعت کی تکمیل کے لئے اور بیس رکعت تراویح مقرر فرما دیں آٹھ رکعات بیس رکعات کی تکمیل کیونکر کر سکتی ہیں۔ ہر رکعت کی ایک رکعت تراویح تکمیل کرے گی۔ یہ تین دلائل عقلی ہیں۔ دلیل نقلی ملاحظہ ہو۔

۴ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اور صحابہ کرام کا اسی بیس رکعت پر اجماع رہا۔ مؤطا امام مالک میں ہے۔ عن السائب ابن یزید انہ قال کنا نقوم فی عہد عمر بعشرین رکعۃ والوتر رواہ البیہقی فی المعرفۃ باسناد صحیح۔ ابن منیع میں ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ فصلی بہم عشرین رکعۃ۔ بیہقی میں ہے۔ عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔ ابن ابی شیبہ نے اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے اور عبداللہ ابن حمید نے اور بغوی نے روایت فرمایا۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر بیہقی نے روایت فرمایا۔ وعن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی انہ کان یؤمہم فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعات۔ اسی بیہقی نے روایت فرمایا۔ وعن ابی عبد الرحمٰن السلمی ان علیؓ دعا القراء فی رمضان فامر رجلا یصلی الناس عشرین رکعۃ وکان علی یوتر بہم۔ اسی بیہقی کا اسناد صحیح نقل فرمایا۔ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ۔ ماخوذ از صحیح البہاری باب کم یقرء فی التراویح۔ یہ تو صحابہ کرام کی روایات تھیں اب علمائے اُمت کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

ترمذی شریف مطبع مجتبائی صفحہ ۹۹ ابواب الصوم باب ما جاءَ فی قیام شہر رمضان میں ہے۔ واکثر اہل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ وہو قول سفیان الثوری وابن مبارک والشافعی وقال الشافعی وہکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ

فتح الملہم شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۱ میں ہے۔ روی محمد بن نصر من طریق عطاء قال ادرکتہم یصلون عشرین رکعۃ وثلث رکعات الوتر وفی الباب آثار کثیرۃ اخرجہا ابن ابی شیبۃ وقال ابن قدامۃ وہذا کالاجماع۔ عمدۃ القاری شرح بخاری۔

جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ہے۔ وروی الحارث ابن عبد الرحمٰن بن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عہد ابن عمر بثلث وعشرین رکعۃ قال ابن عبد اللہ ھذا محمول علی ان الثلث للوتر۔ اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے۔ کان عبد اللہ بن مسعود یصلی لنا فی شہر رمضان فینصرف وعلیہ لیل وقال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ۔ اسی عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۶ میں ہے۔ قال ابن عبد البر وھو قول جمہور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقہاء وھو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ۔ ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا فصار اجماعاً لما روی البیہقی باسناد صحیح انہم کانوا یقومون علی عہد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عہد عثمان وعلی۔ مولوی عبد الحی صاحب نے اپنے فتاوی جلد اول صفحہ ۱۸۲ میں علامہ ابن حجر مکی ہیتمی کا قول نقل فرمایا۔ اجمع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔ عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ہے۔ واما القائلون بہ من التابعین فشتیر بن شکل وابن ابی ملیکۃ والحارث الھمدانی وعطاء ابن ابی رباح وابو البختری وسعید ابن ابی الحسن البصری اخو الحسن وعبد الرحمٰن ابن ابی بکر وعمران العبدی۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین وفقہاء محدثین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے کسی نے آٹھ تراویح پڑھی نہ ان کا حکم دیا۔

دوسرا باب

مخالفین کے پاس حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان اور موطا امام مالک اور قیام اللیل مصنفہ امام مروزی سے ثابت ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ جس سے ثابت ہے کہ آٹھ رکعت تراویح ہے اور باقی وتر۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں۔ اول تو یہ کہ حدیث مضطرب ہے اس لئے کہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں موطا میں ان سے گیارہ کی روایت ہے۔ محمد ابن مروزی نے انہی محمد بن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی۔ اور محدث عبد الرزاق نے انہی محمد بن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعات نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر۔ ایک ہی راوی کے

بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے اسی کو اضطراب کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام روایات ناقابل قبول ہیں۔ اس سے استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہے۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تراویح آٹھ رکعت ہوں اور وتر تین رکعت کہئے تو آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں۔ آپ کے قول پر تو دو رکعتیں ہونی چاہئیں۔ کیا ایک ہی حدیث کا آدھا حصہ مقبول اور نصف غیر مقبول۔ تیسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اولاً آٹھ رکعت پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ پھر گیارہ کا۔ پھر آخر میں بیس پر قرار ہوا۔ اسی لئے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں اسی سائل کی پیش کردہ حدیث کے بعد ہے۔ وکان القاری یقرء سورۃ البقرۃ فی ثمان رکعات واذا قام بہا فی ثنتی عشرۃ رای الناس انہ قد خفف۔ اسی حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔ نعم ثبت العشرون فی زمن عمر وفی الموطا روایۃ باحدی عشرۃ رکعۃ وجمع بینہما بانہ وقع اولا ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث چوتھے یہ کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور تین چیزیں سنت فاروقی ہیں۔ ہمیشہ پڑھنا باقاعدہ جماعت سے پڑھنا بیس رکعت پڑھنا اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے نہ تو بیس رکعت پڑھیں اور نہ ہمیشہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کرنے کا حکم دیا۔ تو اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو عامل ہو گیا مگر سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا۔ اور اگر بیس رکعت پڑھی جائیں تو دونوں سنتوں پر عمل ہو گیا کیونکہ بیس میں آٹھ آجاتی ہیں۔ آٹھ میں بیس نہیں آتیں۔ اور حدیث میں ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ یہاں وہابیوں سے کہئے کہ جس طرح تم تراویح ہمیشہ پڑھتے ہو اور باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں امر حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں بلکہ سنت فاروقی ہیں۔ اسی طرح بیس رکعت پڑھو جو کہ سنت فاروقی ہیں۔

(۲) بخاری میں ہے کہ ابو سلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ تو آپ نے جواب دیا۔ ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام نے تراویح آٹھ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ لہٰذا بیس رکعات پڑھنا آٹھ کی سنت کو مٹانے والی اور بدعت سیئہ ہے۔

جواب: اس روایت میں تراویح کا ذکر نہیں بلکہ اس میں تہجد کا ذکر ہے اور اس جگہ تہجد ہی کی نماز مراد ہے۔ اس کے چند دلائل ہیں۔ اولاً یہ کہ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ رمضان اور غیر رمضان میں کبھی بھی آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کیونکہ تراویح صرف رمضان میں ہوتی ہے دوسرے یہ کہ ترمذی نے اس حدیث کے لئے باب باندھا ہے۔ باب ما جاء فی وصف صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل۔ معلوم ہوا کہ یہ صلوٰۃ اللیل ہے نہ کہ صلوٰۃ رمضان تیسرے یہ کہ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ فقلت یا رسول اللہ تنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی جس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام رکعات سو کر اٹھ کر ادا فرماتے تھے اور دیگر بھی اس کے ساتھ پڑھتے۔ تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ حضور نے ہم لوگوں کو تو حکم دیا ہے کہ وتر پڑھ کر سویا کرو اور خود سو کر وتر مع تہجد ادا فرماتے ہیں۔ تو جواب ملا کہ چونکہ ہم کو بیدار ہو جانے پر پورا اعتماد ہے اس لئے یہ عمل ہے اور جس کو بیدار ہونے پر اعتماد نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سوئے اور ظاہر ہے کہ تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سو کر اٹھ کر پڑھتے ہیں۔ چنانچہ مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۴۰۰ میں حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: "تحقیق آنست کہ صلوٰۃ آنحضرت در رمضان ہماں نماز معتاد او بود یازدہ رکعت کہ دائم در تہجد گزارد چنانچہ معلوم شد گذرد"۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آٹھ رکعت پڑھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھی اور بیس پڑھنا بدعت سیئہ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعات کیوں اختیار فرمائیں۔ اور ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و دیگر صحابہ نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی۔ معاذ اللہ ان تمام صحابہ کرام پر تم کیا فتویٰ لگاؤ گے؟ نیز آج تمام غیر مقلدین پورے ماہ رمضان تراویح باجماعت پڑھتے ہیں۔ بتاؤ ان کا یہ فعل بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ کیونکہ حضور علیہ السلام نے آٹھ رکعت پڑھی ہیں۔ تو صرف تین روز پڑھی ہیں۔ اب تین دن پر زیادتی کر کے تمام ماہ جماعت سے پڑھنا اس سنت کا ترک ہے اور بدعت سیئہ ہے۔ نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہے کہ اہل مدینہ کا عمل اکتالیس تراویح پر ہے اور اہل مکہ کا بیس پر اور یہ جو آج دن تک اکتالیس یا بیس پر عامل رہے تو بتاؤ کہ یہ لوگ بدعتی ہوئے یا نہیں؟ اور ان سے حدیث لینا کیسا ہے؟ کیونکہ بدعتی فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی روایت غیر معتبر ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اہل مکہ مدینہ میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت پر عامل نہیں کوئی بیس پر ہے کوئی اکتالیس پر۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہیں۔ تو تین رکعت وتر ثابت ہوئے تب ہی تو گیارہ بنیں گے۔ پھر وتر تین رکعت کیوں نہیں پڑھتے؟ کیا بعض حدیث پر ایمان ہے بعض پر نہیں۔ حق یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کسی حدیث سے نہیں ملتی کیونکہ جہاں قیام رمضان کا ذکر ہے وہاں تعداد رکعات سے سکوت ہے اور جن احادیث میں گیارہ رکعات ہیں۔ وہاں مراد تہجد ہے۔ ایسی صاف حدیث پیش کرو جس میں آٹھ تراویح کی تصریح ہو۔ ایسی حدیث نہ ملی ہے نہ ملے گی۔ اور بیس رکعات کی تصریح متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

فتویٰ نمبر ۶۳
کسی امتی کو رشک انبیاء کہنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شعر کے بارے میں کہ

نائب مصطفےٰ دریں کشور ؛ رشکِ پیغمبراں معین الدین

کیا کسی امتی پر رشکِ پیغمبراں کا اطلاق درست ہے؟ ایک صاحب نے نعت خواں کو اس شعر پڑھنے سے روک دیا۔ ان کا یہ فعل کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مذکورہ بالا شعر بالکل درست ہے اس سے روکنا جہالت ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اس آیت میں اولیاء اللہ سے انبیاء اللہ نہیں جس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں انبیائے کرام کو بھی خوف ہوگا۔ مگر اولیاء اللہ بے خوف۔ ان فرق یہ ہے کہ گنہگاروں کو اپنی جان کا خوف ہوگا۔ اور انبیائے کرام کو جہاں کا۔ کہ ہمارے گنہگار امتی کہیں جہنم میں نہ پہنچ جائیں۔ رہے حضرات اولیاء انہیں نہ اپنا کھٹکا نہ دوسروں کا خوف۔ کیونکہ یہ اپنے متوسلین کو بارگاہ نبوت تک پہنچا کر بے خوف و مطمئن ہو چکے۔ ان کے اس چین و آرام کو دیکھ کر حضرات انبیاء کرام ان پر غبطہ فرمائیں گے۔ جیسے کہ فقیر بے فکر کی آزادانہ زندگی پر بادشاہ غبطہ کرے۔ اس غبطہ سے فقیر بادشاہ سے بڑھ نہیں گیا۔ فقیر تو فقیر ہی ہے۔ اور بادشاہ بادشاہ۔ مگر غبطہ درست ہو گیا اسی طرح اولیاء اللہ معاذ اللہ نہ تو نبی کے برابر ہو گئے نہ بڑھ گئے۔ مگر غبطہ درست ہو گیا اور غبطہ ہی کا ترجمہ ہے رشک۔

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جو ابوداؤد اور بیہقی شعب الایمان اور شرح سنہ میں ہے۔ ان من عباد اللہ لاناسا ما ھم بانبیاء ولا شھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہی وجہ ارشاد فرمائی لا یخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس وقرء ھذہ الآیۃ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (مشکوٰۃ کتاب الآداب باب الحب فی اللہ) ترمذی شریف ابواب الزھد باب الحب فی اللہ۔ میں حدیث قدسی نقل فرمائی قال اللہ عزوجل المتحابون فی جلالی لھم منابر من نور یغبطھم النبیون والشھداء۔ غرضیکہ شعر نہایت صحیح ہے۔ اس کا مضمون قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس کی زیادہ تفصیل ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔ واللہ اعلم

احمد یار خان غفرلہ

حاملہ گائے کی قربانی کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے حاملہ کی قربانی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قریب ولادت جانور کا ذبح کرنا مکروہ ہے خواہ قربانی میں ذبح کرے یا کسی اور موقعہ پر۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک ماں کا ذبح اس کے بچہ کا ذبح نہیں۔ لہٰذا اس صورت میں گویا بچہ کو ضائع کرنا ہے مگر صاحبین کے نزدیک چونکہ ماں کا ذبح بچہ کا ذبح ہے اس صورت میں بچہ کی بربادی نہیں لہٰذا بلا کراہت جائز ہے۔ غرضیکہ بچہ میں جان پڑ جانے سے پہلے تو حاملہ جانور کا ذبح سب کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے مگر جان پڑ جانے کے بعد امام صاحب کے نزدیک بالکراہت جائز ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک بلا کراہت جائز۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس کراہت سے کراہت تنزیہی مراد ہے جیسے کہ دلیل سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا قربانی ہو جائے گی۔ یہ بھی خیال رہے کہ امام صاحب کے نزدیک قریب ولادت جانور کا ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ گوشت بلا کراہت جائز ہے۔ عالمگیری باب الذبائح میں ہے۔ شاۃ او بقرۃ اشرفت علی الولادۃ قالوا یکرہ ذبحہا لان فیہ تضییع الولد وھذا قول ابی حنیفۃ لان عندہ جنین لا یتذکی بذکوۃ الام کذا فی فتاوی قاضی خان۔ خیال رہے کہ یہ مسئلہ عالمگیری نے فتاوی قاضی خاں سے لیا اور قاضی خاں قول ضعیف میں قالوا فرماتے ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

تحریری طلاق کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کو یہ تحریر لکھ کر بھیجی کہ میں نے فلاں بی بی کو طلاق دے دی۔ نیچے اپنے دستخط کر دیئے۔ طلاق ہو گئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ (از گجرات)

الجواب

اگر شوہر نے بہ نیت طلاق یہ عبارت لکھی ہے تو طلاق رجعی واقع ہو گئی۔ ورنہ نہیں کیونکہ جو طلاق بغیر القاب آداب ویسے ہی لکھ دی جاوے وہ نیت پر موقوف ہے عالمگیری باب کنایۃ الطلاق میں ہے۔ وان کانت مستبینۃ لکن غیر مرسومۃ ان نوی الطلاق یقع والا فلا اور مرسومہ کی شرح عالمگیری میں اسی جگہ یوں فرمائی۔ و نعنی بالمرسومۃ ان یکون مصدرا و معنونا مثل ما یکتب الی الغائب۔ یعنی باقاعدہ القاب و آداب کے ساتھ طلاق لکھی جائے۔ وہ بہرحال ہو جائے گی نیت ہو یا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

والد کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ماں نے نابالغہ لڑکی کا نکاح کر دیا۔ لڑکی نے بالغہ ہوتے ہی نکاح فسخ کر دیا جس پر دو گواہ بھی بنائے نکاح فسخ ہوا یا نہیں۔ اور اب یہ لڑکی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں نکاح ٹوٹ گیا کیونکہ باپ دادا کے سوا جس نابالغ کا نکاح کرا دے۔ وہ نکاح بوقت بلوغ فسخ ہو سکتا ہے۔ عالمگیری باب الولی میں ہے۔ فان زوجھما الاب والجد فلا خیار لھما بعد بلوغھما وان زوجھما غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ۔ مگر حکومت کا فیصلہ ضروری ہے۔ اسی عالمگیری میں اسی جگہ ہے۔ ویشترط فیہ القضاء بخلاف خیار العتق۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۶

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ حق تعالیٰ کو اللہ میاں کہہ سکتے ہیں۔ یا نہیں؟ ایک آدمی کہتا ہے کہ خدا کو میاں کہنے میں کچھ حرج نہیں۔ ہر طرح جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

از بنگلور

الجواب

اردو زبان میں اللہ تعالیٰ کو میاں نہیں کہنا چاہئے کیونکہ اردو میں میاں مالک کو بھی کہتے ہیں اور شوہر کو بھی۔ شوہر کے معنی حق تعالیٰ کی شان کے خلاف ہیں۔ [illegible]۔ جس لفظ میں اچھے برے دونوں طرح کے معانی ہوں۔ اس کا استعمال حق تعالیٰ کے لئے نہیں کرنا چاہئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی جس سے معلوم ہوا کہ خدائے پاک کے نام خاص اچھے ہونے چاہئیں۔ قبیح معنی والے نام اس کے لئے استعمال نہیں ہو سکتے۔ رب کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لفظ راعنا بولنے سے روکا گیا تھا کیونکہ اس کے دو معنی ہیں ایک اچھے دوسرے برے فرمایا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا۔ جب بارگاہ نبوی میں ایسے

مشترک لفظ کا استعمال جائز نہیں جس میں تحقیر معنی کا بھی احتمال ہو۔ تو بارگاہ والی کیسی ارفع و اعلیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

مسجد کے صحن میں غسل خانہ بنانے کا حکم

فتویٰ نمبر ٦٧

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کا صحن جس میں ہمیشہ نماز ہوتی رہتی ہے۔ باجماعت بھی اور بلا جماعت بھی۔ اس صحن میں غسل خانہ اور وضو کی جگہ بنا دیا جانا جائز ہے یا ناجائز۔ بحوالہ کتاب بیان فرمایا جاوے۔ غلام رسول گجرات

الجواب

جو جگہ داخل مسجد بن چکی اب وہ خارج مسجد نہیں ہو سکتی۔ نہ وہاں غسل خانہ بنے نہ وضو خانہ نہ مسجد کی دکان۔ نہ امام یا مؤذن کا حجرہ۔ مسجدیت مکمل ہونے کے بعد یہ کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس جگہ کا احترام فرض ہو چکا کہ یہاں جنبی شخص آ سکے نہ حیض و نفاس والی عورت۔ مگر جب یہاں غسل وغیرہ بن جاوے گا۔ تو یہ احترام ناممکن ہوگا۔ مسجد کی حرمت قیامت تک باقی ہے۔ عالمگیری کتاب الوقف میں ہے۔ قیم المسجد لا یجوز ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتا او مسکنا تسقط حرمتہ وھذا لا یجوز۔ درمختار باب الوقف میں ہے۔ لو بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اس صحن مسجد میں خود واقف بھی غسل خانہ وغیرہ نہیں بنا سکتا چہ جائیکہ دوسرے لوگ۔ اور اگر غسل خانہ وغیرہ بن بھی گیا ہو۔ تو اس کا گرا دینا واجب ہے۔ اسی جگہ رد المحتار میں ہے۔ وبھذا علم ایضا حرمۃ احداث الخلوات فی المساجد کالتی فی رواق المسجد الاموی۔ ولا سیما ما یترتب علی ذلک من تقذیر المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوہ۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

خاتم النبیین کے معنی اور تفسیر

فتویٰ نمبر ٦٨

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان حسب ذیل مسائل کے بارے میں۔

(۱) خاتم النبیین کے معنی اور تفسیر، ختم اللہ کے معنی اور تفسیر؟

(۲) کیا الہام سچ ہے۔ اور کس شخص کا الہام مانا جاتا ہے؟

(۳) کیا مرزا صاحب نے کسی دوسرے استاد سے تعلیم حاصل کی یا اللہ کی رحمت سے تعلیم یافتہ ہی پیدا ہوئے تھے؟

(۴) کیا کوئی نبی بعد نبوت یا قبل از نبوت کسی غیر مسلم بادشاہ کی حکومت میں رہا ہے یا رہ سکتا ہے؟

(۵) انبیائے کرام کو معجزے کس قسم کے دیئے گئے۔ اور مرزا صاحب کو فی زمانہ کیسے معجزے ملنا چاہیئے تھے؟

(۶) کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پاگئے۔ اگر زندہ ہیں تو کہاں ہیں۔ کیا اگر وفات پاگئے ہیں تو مرزا کیا اب اگر آسمان پر گئے ہیں تو کیسے گئے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

۱۔ خاتم ختم سے بنا ہے۔ ختم کے لغوی معنی مہر لگانا ہے۔ اسی لئے مہر کو خاتم کہا جاتا ہے چونکہ مہر بھی مضمون کے آخر میں لگتی ہے جس کے بعد کوئی مضمون نہیں لکھا جاتا۔ اور پارسلوں وغیرہ پر بند کرنے کے بعد مہر لگائی جاتی ہے۔ تاکہ اب نہ اس میں سے کچھ نکل سکے نہ داخل ہو سکے۔ اسی لئے عرف میں ختم تمام ہونے کو کہتے ہیں۔ خاتم النبیین میں یہی عرفی معنی مراد ہیں۔ جیسے صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کرنا ہے۔ [illegible] و ثم اقیموا الصلوٰۃ میں صلوٰۃ سے عرفی معنے یعنی نماز مراد لے گئے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کی یہی تفسیر قرآنی کو ارشاد فرمایا۔ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں)۔ جیسے لا الٰہ میں ہر قسم کے جھوٹے خدا کی نفی ہوگی۔ ایسے ہی لا نبی میں اصلی ظلی بروزی مراقی مذاقی نبی کی نفی ہے کہ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں بن سکتا۔ ختم اللہ میں ختم لغوی معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کردی کہ اب ان میں ہدایت داخل نہیں ہو سکتی۔

۲۔ حضور علیہ السلام کی اُمت کے اولیاء کے لئے الہام برحق ہے بے شک اللہ کے پیارے بندوں کو الہام ربانی ہوتے ہیں۔ مگر الہام جب ہی قبول ہوگا۔ جبکہ شریعت کے خلاف نہ ہو۔ اگر خلاف شرع ہے تو وہ وسوسہ شیطانی ہے نہ کہ الہام ربانی۔ یہ تو الہام کی کسوٹی ہے۔ کیونکہ شریعت کا برحق ہونا یقینی ہے۔ اور ہمارے خیالات کی حقانیت یقینی نہیں۔ نیز الہام یا خواب متقی پرہیزگار مسلمان کا زیادہ معتبر ہے۔ جتنا تقویٰ کامل ہوگا۔ اتنا ہی اس کا دل شیطانی اثر سے زیادہ محفوظ رہیگا۔

۳۔ مرزا صاحب آنجہانی سنا گیا ہے کہ مڈل پاس اور انٹرنس فیل تھے۔ وہ اوّلاً کچہری میں کلرک رہے۔ مگر گزر اوقات مشکل تھی۔ دنیاوی ضروریات نے انہیں دعوائے نبوت پر مجبور کیا۔ عربی میں کس کے شاگرد تھے۔ مجھے پورا پتہ نہیں۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہ علوم عربیہ میں نہایت ناقابل تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مایہ ناز کتاب لکھی خطبہ الہامیہ۔ اور اس کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ ساری عبارت میری نہیں اور اس میں نہ کوئی غلطی ہے اور نہ اس کے مثل کوئی کلام ہو سکتا ہے۔ مگر قبلہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں تقریباً دو سو اسّی غلطیاں نکالیں۔ اور ثابت فرمایا کہ مرزا جی سے عربی

ادب کی کتابوں سے عبارتیں چرائی ہیں، جو عبارتیں سبعہ معلقہ وغیرہ کی ہیں۔ وہ تو صحیح ہیں، باقی سب غلط ہیں۔ اس کے لئے کتاب سیف چشتیائی مصنفہ پیر مہر علی شاہ صاحب دیکھو۔

۴ ہر نبی یا پیغمبر کسی کافر بادشاہ کی رعایا اور غلام بن کر نہ رہا یا تو نبی ایسی قوم میں آئے جس میں باقاعدہ سلطنت تھی ہی نہیں جیسے ہود علیہ السلام اور کسی کافر بادشاہ کے ملک میں پیدا ہوئے تو اولاً انہوں نے وہاں سے ہجرت کی اور پھر بادشاہ کا مقابلہ فرما کر اس کی سلطنت کو پاش پاش کر دیا جیسے ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام۔ غرضیکہ کافر بادشاہ سے مقابلہ فرمایا ہے۔ ماتحتی کسی نے نہیں کی۔ سوائے ہمارے مرزا جی کے۔ ان کے الہام حکام وقت کی رضا کے ماتحت ہوتے رہے۔

۵ ہر پیغمبر کو خصوصیت سے ایسے معجزے ضرور ملے جس کا ان کے زمانہ میں زور تھا۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا عروج تھا، جالینوس موجود تھا، تو آپ کو مردہ زندہ کرنے اور کوڑھیوں کو اچھا کرنے کا معجزہ خصوصیت سے ملا اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا۔ تو آپ کو عصا دیا گیا۔ ہمارے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں لوگوں کو کلام پر ناز تھا اور فصاحت اور بلاغت پر گھمنڈ تھا تو حضور کو قرآن کا معجزہ ملا۔ لہٰذا مرزا جی کے زمانہ میں چونکہ ایجادات اور صنائع کا زور تھا، ضروری تھا کہ انہیں اسی قسم کا ایسا معجزہ ملتا جو تمام ایجادات پر غالب رہتا۔

۶ عیسیٰ علیہ السلام اسی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ تشریف لے گئے۔ جس کا ثبوت قرآنی آیات اور صدہا احادیث صحیحہ سے ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے قرب خاص کی طرف اٹھایا۔ جب رفع کا مفعول جسم ہوتا ہے۔ تو اس میں مکانی اٹھانا مراد ہوتا ہے۔ جیسے وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ یا جیسے يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وغیرہ۔

۷ عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آسمان پر فرشتوں کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور فرشتوں کی طرح ذکر الٰہی ان کی غذا ہے اب وہ ظاہری غذا سے بے نیاز ہیں۔ کما فی الاحادیث۔

۸ اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ ۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ جو بھی صابر شاکر متقی پرہیزگار ہو جائے وہ نبی ہی ہو جائے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت میں نبیوں صدیقوں شہیدوں کے ساتھ اٹھے گا۔ ساتھ ہونا اور چیز ہے اور نبی بن جانا دوسری چیز۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ رب تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ اس سے نہ تو اللہ صابر ہو جاتا ہے اور نہ صابر خدا بن جاوے۔ بلکہ رحمت الٰہی صابروں کے شامل حال ہوتی ہے۔

آپ فتنہ مرزائیت سے بچنے کے لئے کتاب پاکٹ بک محمدیہ کا مطالعہ کیا کریں۔ جو پاکٹ بک احمدیہ کے جواب میں لکھی گئی۔ نیز سیف چشتیائی اور شمس الہدایت کا مطالعہ کیا کریں۔ یہ کتب گولڑہ شریف سے ملیں گی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے لئے ہماری تفسیر نعیمی تیسرے پارے کا مطالعہ کریں۔ اور مرزائیوں کی صحبت سے بچیں۔

تاتوانی دور شو از یار بد ❁ یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمی بر جاں زند ❁ یار بد بر دین و بر ایماں زند

نکتہ: مرزا صاحب کے صدہا الہام و پیشگوئیاں غلط ثابت ہوئیں۔ انہوں نے بڑے زور و شور سے دعویٰ کیا تھا کہ محمدی بیگم سے میرا نکاح ہوگا۔ مگر کوشش کرتے کرتے تھک گئے اور محمدی بیگم نکاح میں نہ آئی۔ اعلان کیا تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اگر جھوٹے ہوں تو میری موجودگی میں وہ مریں گے۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو ان کی موجودگی میں میں مروں گا۔ مرزا جی نے اعلان کیا تھا کہ سخت زلزلہ عنقریب آوے گا۔ اپنی امت کو شہر سے نکال کر جنگل میں ڈالا۔ ایک ماہ وہاں قیام کیا۔ مگر زلزلہ وغیرہ کچھ نہ آیا۔ اور پھر چپکے سے گھر آ بیٹھے۔ ایسے صدہا واقعات آپ کو پاکٹ بک محمدیہ میں ملیں گے۔

احمد یار خاں عفی عنہ

بیوہ کے عدت میں زنا سے حاملہ ہونے کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیوہ عدت وفات میں زنا سے حاملہ ہوگئی جس کی وہ خود اقراری ہے تو اس کی عدت کیا ہوگی۔ وضع حمل یا کچھ اور۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں اس کی عدت وہ چار ماہ دس دن ہے۔ جسے وہ گذار رہی ہے۔ اس حمل کی وضع کا اعتبار نہیں۔ وہ مسئلہ طلاق کے لئے ہے۔ جو عورت عدت طلاق میں حاملہ ہو جاوے اس کی عدت وضع حمل ہے عالمگیری کتاب العدۃ میں مطلقہ کے بارے میں ہے۔ وعدة الحامل ان تضع حملها كذا في الكافي سواء كانت حاملا وقت وجوب العدة او حبلت بعد وجوب العدة كذا في فتاوى قاضي خان۔ مگر عدت وفات میں بعد وجوب عدت جو حمل قائم ہو۔ اس کا اعتبار نہیں۔ یہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے اسی عالمگیری میں اسی جگہ ہے۔ ولو حدث الحمل في العدة بعد الموت ذكر الكرخي انه يتعلق بانقضاء العدة والصحيح انه لا يتعلق، اما اذا حدث بعد موته فلا يتعلق بلا خلاف كذا في العتابية، شامی باب العدۃ میں ہے۔ واعلم ان المعتدة لو حملت في عدتها ذكر الكرخي ان عدتها وضع الحمل ولم يفصل والذي ذكره محمد ان هذا في عدة الطلاق اما في عدة الوفات فلا تتغير بالحمل وهو الصحيح كذا في

البدائع۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس عورت کی عدت وہی چار ماہ دس دن ہے جسے گزار کر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے مگر دوسرے شوہر کو لازم ہے کہ وضع حمل سے پہلے اس سے صحبت نہ کرے۔ ہر حاملہ بالزنا کا یہی حکم ہے کہ اس سے نکاح درست ہے مگر صحبت منع۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غفی عنہ

ابلیس کی بیوی اور اولاد کا بیان

فتویٰ نمبر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیطان کی اولاد ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی بیوی کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیطان کی اولاد نہیں۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ از یوپی

الجواب

اس کے متعلق مجھے تین قول ملے۔ ایک یہ ہے کہ شیطان لا ولد ہے۔ اس کے کوئی اولاد نہیں کیونکہ وہ فرشتوں کی قسم سے ہے اور فرشتے اولاد سے پاک ہیں۔ نیز اولاد بقائے نسل کے لئے ہوتی ہے اور جو خود ہی قیامت تک زندہ رہے اسے نسل کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھو چاند، تارے، سورج وغیرہ کے نسل نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ شیطان کے نسل ہے اور وہ صاحب اولاد ہے کیونکہ وہ جن کی قسم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهٖ۔ اور جن وانس کے نسل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے نسل ہے بلکہ شیطان جنات کا باپ ہے جیسے آدم علیہ السلام انسان کے ______ كان ابا الجن۔ نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے أَفَتَتَّخِذُونَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِيْ (سورہ کہف) اس آیت میں شیطان کے لئے ذریت ثابت کی گئی ہے۔ اور ذریت اولاد ہی کو ہوتی ہے۔ بلا وجہ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنے لینا درست نہیں۔ اسی آیت کے ماتحت تفسیر جلالین میں ہے۔ وابليس هو ابو الجن فله ذرية ذكرت معه والملئكة و ذرية لهم۔

چونکہ نوع جنات کے لئے موت ہے۔ لہٰذا اس کی نسل بھی ضروری ہے۔ ابلیس کو شخصی طور پر دراز عمر دی گئی اس کا لحاظ نہیں۔ انسان میں بھی خضر و ادریس علیہما السلام تاقیامت زندہ رہیں گے مگر ان کے اولاد ہوئی۔ غرضیکہ شیطان کے نسل اور اولاد ہے۔ پھر ان میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ابلیس کی بیوی ہے اسی سے اولاد ہے بعض فرماتے ہیں کہ نہیں۔ بلکہ اس کے ران میں ذکر کا عضو ہے اور دوسرے میں مادہ کا فرج اپنے سے صحبت کرتا ہے اور خود ہی حاملہ ہو کر انڈے دیتا ہے جس سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ شرح قصیدہ بردہ خرپوتی میں اس شعر

وخالف النفس والشيطان واعصهما   وان هما محضاك النصح فاتهم

کی شرح میں فرماتے ہیں۔ فان قیل هل للشیطان نسل قال ابو المعین النسفی فی بحر الکلام قیل ان الشیطان یبیض ویخرج منها الولد وفی الخبر ان فی احد فخذیه فرجا وفی الاخری ذکرا فیجامع نفسه فیخرج منه الولد وهذه روایة شاذة وقیل یدخل ذنبه فی دبره فیخرج منه الولد وهذا اخبر صحیح فالصحیح هو الاول۔ ثابت ہوا کہ شیطان کے اولاد ہے۔

تفسیر صاوی حاشیہ جلالین میں زیر آیت اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗ سورۂ کہف کی تفسیر میں ہے کہ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ابلیس کے چند قسم کی اولاد ہے۔ ایک قسم کا نام لاقیس اور ولہان ہے۔ ان کا کام وضو اور نماز میں وسوسہ ڈالنا ہے ایک قسم کا نام زلنبور ہے۔ یہ بازاروں میں پھرتی رہتی ہے اور لوگوں سے جھوٹی خرید و فروخت کراتی ہے۔ ایک کا نام ثبر ہے۔ وہ لوگوں سے مصیبت پر نوحہ کراتی ہے۔ بال نچواتی ہے اور منہ پر تھپڑ لگواتی ہے۔ ایک کا نام اعور ہے یہ زنا کراتی ہے کہ مرد کے احلیل اور عورت کے فرج میں جوش پیدا کرتی ہے۔ ایک کا نام مطروس ہے، جو جھوٹی خبریں پھیلاتی ہے۔ ایک کا نام داسم ہے۔ یہ اس شخص کے ساتھ گھر میں گھس جاتی ہے جو بغیر بسم اللہ پڑھے گھر میں داخل ہو۔ حدیث پاک میں وارد ہوا کہ ایک قسم کا نام خنزب ہے۔ ایک قسم کا نام قرینہ ہے۔ جو ہر شخص کے ساتھ رہتا ہے۔ اسی تفسیر صاوی میں اسی جگہ ہے کہ کسی نے امام شعبی سے پوچھا کہ کیا ابلیس کی بیوی ہے؟ فرمایا ہے تو اس کا نام کیا ہے تو آپ نے فرمایا ان ذالک عرس لم اشهده۔ اس کی شادی میں مجھے شرکت کا موقع نہیں ملا۔ مجھے خبر نہیں کہ بیوی کا نام کیا ہے اسی جگہ فرماتے ہیں۔ قال مجاهد ان ابلیس ادخل فرجه فی فرج نفسه فباض خمس بیضات فهذه اصل ذریته وقیل ان الله خلق له فی فخذه الیمنی ذکرا و فی فخذه الیسری فرجا فهو ینکح هذا بهذا فیخرج له کل یوم عشر بیضات یخرج من کل بیضة سبعون شیطانا وشیطانة فهو یخرج ویطیر۔ یعنی رب تعالیٰ نے اس کی داہنی ران میں نر کا عضو اور بائیں میں مادہ کا عضو پیدا فرمایا ہے۔ وہ خود ہی اپنے سے صحبت کرتا ہے جس سے روزانہ دس انڈے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر انڈے سے ستر نر و مادہ شیاطین پیدا ہوتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیطان کے اولاد ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کے بیوی کوئی نہیں۔ وہ خود ہی نر ہے اور خود ہی مادہ اللہ کی قدرت سے یہ بات بعید بھی نہیں ہے۔ انسانوں میں بعض خنثیٰ مشکل ہوتے ہیں۔ جن کے عورت و مرد دونوں کے عضو ہوتے ہیں۔ دونوں سے پیشاب بھی آتا ہے۔ ہاں ان سے نسل نہیں چلتی۔ اس پر نہ مرد کے احکام جاری ہوتے ہیں نہ عورت کے چنانچہ خنثیٰ مشکل جماعت نماز میں مردوں سے پیچھے اور عورتوں سے آگے کھڑا ہو اور جب مر جاوے تو اسے کوئی غسل نہ دے بلکہ تیمم کرا کے نماز پڑھ کر دفن کر دیا جاوے۔ رب تعالیٰ جب انسانوں میں ایسے لوگ پیدا فرما دیتا ہے۔ تو اگر شیطان میں بھی ہو تو کیا بعید ہے چونکہ یہ مسئلہ دینی ضروریات میں سے نہیں۔ لہٰذا اس سے بحث نہ کی جائے۔

احمد یار خان نعیمی

مسخ شدہ کی بیوی کا حکم

فتویٰ نمبر ۱۷۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مرد کی صورت مسخ ہو جاوے اس کی بیوی کیا کرے آیا نکاح میں رہے گی یا نہیں اگر نہ رہے گی تو عدت گزارے گی یا نہیں۔ اگر گزارے گی تو عدت طلاق یا عدت وفات بینوا توجروا

اسد الحق جہلم

الجواب

مسخ کی کل تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان پتھر لکڑی وغیرہ بن جاوے جیسے اساف و نائلہ کا حال ہوا۔ دوسرے یہ کہ کتا۔ گدھا۔ بندر وغیرہ ہو جاوے۔ جیسے سبت والوں کا حال ہوا۔ تیسرے یہ کہ مسوخ انسان ہی رہے۔ مگر اس کی شکل بگڑ جاوے۔ گورا تھا کالا ہو جاوے وغیرہ۔ آخری صورت میں نکاح برقرار رہے گا۔ اگر مسوخ مومن ہو اور بد عملی کی وجہ سے شکل بگڑ گئی ہو۔ پہلی دونوں صورتوں میں نکاح جاتا رہے گا۔ پتھر ہو جانے کی صورت میں عورت عدت وفات گزارے گی۔ کیونکہ اس کا شوہر مر گیا۔ پتھر ہو کر بے جان ہو گیا قبر میں بھی انسان مٹی ہو جاتا ہے اور جانور بن جانے کی صورت میں اس کی عورت عدت طلاق یعنی تین حیض گزارے گی۔ کیونکہ جن وجوہ سے نکاح حرام ہوتا ہے اگر وہ وجوہ بعد نکاح پائی جائیں تو نکاح کو باطل کر دیں گی اور اس صورت میں عورت پر عدت طلاق واجب ہو گی۔ مثلاً مزنیہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہے۔ اگر کوئی اپنی ساس سے زنا کرے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اور عدت طلاق گزارے گی۔ کیونکہ اب وہ مزنیہ کی بیٹی بن گئی۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا۔ تو سمجھ لو کہ غیر جنس سے نکاح درست نہیں۔ انسان کا نکاح صرف انسان سے ہی ہو سکتا ہے۔ جن پری۔ دیو بھوت اور بکری وغیرہ سے نہیں ہو سکتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں اور جن وغیرہ انسان کی ہم جنس نہیں۔ نیز فرماتا ہے۔ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ نساء عورت کو کہتے ہیں جن و حیوانات کی مادہ نساء نہیں کہلاتیں۔ اگر غیر جنس سے نکاح جائز ہوتا تو آدم علیہ السلام کے لئے ان کی ہم جنس حوا نہ پیدا کی جاتی۔ بلکہ کسی جن مادہ سے ان کا نکاح کرا دیا جاتا۔ درمختار کتاب النکاح کے شروع میں ہے۔ فخرج الذکر والخنثیٰ المشکل والوثنیۃ والجنیۃ وانسان الماء لاختلاف الجنس۔ معلوم ہوا کہ مرد کا نکاح مرد یا خنثیٰ مشکل یا جن یا دریائی انسان سے نہیں ہو سکتا کیونکہ جن وغیرہ غیر جنس ہیں۔ اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے۔ لا یصح نکاح آدمی جنیۃ کعکسہ لا

اختلاف الجنس فكانوا كبقية الحيوانات۔ معلوم ہوا کہ جیسے انسان کا نکاح بکری، کتے وغیرہ حیوانات سے نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی جن سے بھی نہیں ہو سکتا۔ رد المحتار میں ہے۔ ولان الجن يتشكلون بصور شتى فقد يكون ذكرا يتشكل بشكل انثى۔ یعنی جن سے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ مختلف شکل اختیار کر سکتے ہیں لہذا اگر جن عورت سے نکاح کیا جائے اگر وہ مرد بن جائے تو نکاح کیسے باقی رہے گا۔ بہر حال یہ واضح ہو گیا کہ جن سے انسان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت علی نے جناتی سے نکاح کیا محض باطل ہے۔ اسی طرح حضرت سلیمان کا نکاح بلقیس سے ہوا۔ صحیح یہ ہے کہ بلقیس انسان تھی نہ کہ جن۔ اور اگر جن بھی ہو تو شریعت سلیمانی میں شاید غیر جنس سے نکاح حلال ہو۔ جیسے شریعت آدم علیہ السلام میں بہن سے نکاح حلال تھا یا جیسے جنت میں حوروں سے نکاح ہوگا۔ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ۔ حالانکہ حوریں حضرت آدم کی اولاد نہیں۔ کیونکہ وہ آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا ہو چکی تھیں۔ ان کی پیدائش نور سے ہے۔ مگر چونکہ وہ عالم دوسرا ہے۔ وہاں کے احکام بھی جداگانہ۔ اس عالم کے احکام اس عالم پر جاری نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے جو حضرات قیامت سے پہلے جنت میں گئے یا وہاں ہے وہ حوروں سے الگ رہے۔ حضرت آدم جنت میں تمام چیزیں استعمال فرماتے رہے۔ سوائے حوروں کے۔ حضور علیہ السلام معراج میں حضرت ادریس علیہ السلام اپنی حیات میں جنت میں تشریف لے گئے۔ مگر قبل قیامت حوروں سے بے تعلق رہے۔ بہر حال اسلام کا حکم یہ ہے کہ غیر جنس سے نکاح حرام ہے۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو چکا کہ غیر جنس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ تو جو کوئی بعد نکاح غیر جنس بن جاوے اس کا نکاح فسخ ہو جاوے گا جیسا کہ ہمارے بیان کئے ہوئے قاعدے سے معلوم ہوا۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ اگر شوہر یا عورت مسخ ہو کر انسان ہی رہے تو نکاح قائم ہے۔ اگر مرد پتھر بن گیا تو عورت عدت وفات گزارے گی۔ اگر جانور کی شکل میں تبدیل ہو گیا تو عدت طلاق۔ هذا ما عندي والعلم عند ربي في كتاب لا يضل ربي ولا ينسى والله اعلم وعلمه عز اسمه اتم واحكم۔

احمد یار خان عفی عنہ

سانسی کی نومسلم بیوی کے اپنے اسی خاوند کے پاس ہونے کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت سانسی مذہب رکھنے والی مسلمان ہو گئی اس کا شوہر سانسی ہی رہا اب اس کا شوہر اسے اپنے گھر لانا چاہتا ہے یا اس صورت میں عورت اس کے پاس جائے یا نہ جائے۔ میاں غلام محی الدین سفارش کرتے ہیں کہ بھیج دو۔ کیونکہ اس کا نکاح باقی ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں یہ مسلمہ عورت اپنے پہلے سابق شوہر پر حرام ہو گئی اب جب تک اس کا شوہر سابق کافر رہے۔ اس وقت تک اس کے پاس جانا اور اس سے وطی کرنا حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ عورت کو اس کافر شوہر کے پاس ہرگز نہ جانے دیں۔ اب یہ عورت فی الحال دوسرا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ چاہیے کہ اس کے سابق شوہر کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ اس سے کہا جائے کہ تو بھی مسلمان ہو جا اگر وہ مسلمان ہو جائے۔ تب تو اسی کی بیوی کا رہے گی اور اگر شوہر انکار کرے یا خاموش رہے تو حاکم سے فیصلہ کرا کر دوسرا نکاح کرے۔ در مختار باب نکاح الکافر میں ہے —
واذا اسلم احد الزوجين عرض الاسلام على الآخر فان اسلم فبها والا بان اباه او سكت فرق بينهما۔ اسی کے ماتحت شامی میں ہے۔ ما لم يفرق القاضي فهي زوجته حتى لو مات الزوج قبل ان تسلم امرأته الكافرة وجب لها المهر۔ واللہ اعلم۔ احمد یار خان

صرف تہبند سے نماز پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۳۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل میں۔

بعض لوگ باوجود کپڑے ہونے کے صرف تہبند باندھ کر یعنی کرتہ پہنے ننگے بدن نماز پڑھتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کراہت سے یا بلا کراہت۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صرف تہبند باندھ کر کھلے بدن نماز پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا چنانچہ مسلم، بخاری کتاب الصلوٰۃ میں حضور علیہ السلام نے فرمایا لا يصلي الرجل في الثوب الواحد ليس على عاتقه منه شيء۔ یعنی کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ اسی لئے امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک فرض نماز میں کندھا ڈھکنا فرض ہے اور ہمارے احناف کے نزدیک سنت۔ چنانچہ در مختار باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے۔ وشرط احمد ستر احد منكبيه ايضاً۔ اسی کی شرح میں شامی میں فرماتے ہیں۔ هو شرط عنده في صلوة الفرض وعندنا ستر المنكبين مستحب غرضیکہ کھلے کندھے نماز پڑھنا خلاف سنت ہے اور اگر شوقیہ ہے تو زیادہ برا۔ عالمگیری باب شروط الصلوٰۃ میں ہے

والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلثة اثواب قمیص و ازار و عمامة اما لو صلی فی ثوب واحد متوشحا به تجوز صلوٰة من غیر کراهة وان صلی فی ازار واحد یجوز ویکرہ

خلاصہ فتویٰ یہ ہے کہ صرف ایک تہبند میں کھلے کندھے نماز پڑھنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جن صحابہ کرام نے صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے انہوں نے اس سے تمام جسم ڈھک لیا تھا یا مجبوراً پڑھی کہ ان کے پاس قمیض موجود نہ تھی ۔ اگر بلا ضرورت بھی پڑھی تو وہ صحابی کا فعل ہے اور ہماری ذکر کی ہوئی حدیث میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت ہے اور ظاہر ہے کہ دلیل اباحت پر دلیل حرمت اور فعل پر قول کو ترجیح ہوتی ہے ۔ واللہ اعلم ۔

احمد یار خان عفی عنہ

رمضان میں عشاء کے فرض بغیر جماعت پڑھنے سے وتر جماعت سے پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص عشاء کے فرض بغیر جماعت کے تنہا پڑھے تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب

جو کوئی عشاء کے فرض بغیر جماعت علیحدہ پڑھے وہ تراویح تو جماعت سے پڑھ سکتا ہے ۔ مگر وتر جماعت سے نہیں پڑھ سکتا ۔ علیحدہ پڑھے گا شامی باب التراویح میں ہے ۔ ثم رایت القہستانی ذکر تصحیح ماذکرہ المصنف ثم قال لکنہ اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر الخ اور اگر فرض کی بالکل جماعت ہی نہ ہوئی ہو ۔ بلکہ سب نے علیحدہ علیحدہ پڑھے ہوں تو وہ تراویح بھی جماعت سے نہیں پڑھ سکتے ۔ درمختار میں اسی جگہ ہے ۔ ولو ترک الجماعة فی الفرض لم یصلوا التراویح جماعة ۔ واللہ اعلم ۔

احمد یار خان

نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ بچہ کے پیچھے بالغ لوگ تراویح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ بعض کا خیال ہے کہ اگر عشاء کے فرض اور وتر بالغ پڑھا دے اور تراویح نابالغ تو جائز ہے یہ درست ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب

نابالغ بچہ کے پیچھے کوئی نماز جائز نہیں، فرض ہو یا وتر، تراویح ہو یا نماز عید، نماز خسوف وکسوف ہو یا استسقاء غرضیکہ فرض، واجب، نفل ہر نماز نابالغ کے پیچھے ناجائز ہے۔ بالغوں کی امامت بالغ ہی کر سکتا ہے۔ ان بچے بچوں کی امامت کر سکتا ہے۔ صرف علمائے بلخ نے تراویح و دیگر نوافل میں بچوں کی امامت جائز قرار دی ہے مگر یہ قول مرجوح اور ناقابل قبول اور غیر مفتی بہ ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ ناجائز ہے۔ یہی صحیح ہے اسی پر فتویٰ و اعتماد ہے۔

عالمگیری کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ میں ہے۔ وعلی قول ائمۃ بلخ یصح الاقتداء بالصبیان فی التراویح والسنن المطلقۃ کذا فی فتاوی قاضی خان والمختار انہ لا یجوز فی الصلوات کلها کذا فی الهدایۃ وهو الاصح هکذا فی المحیط۔ اسی طرح دُرِّ مختار باب الامامۃ میں ہے۔ ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ وخنثیٰ وصبی مطلقا ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بچہ امامت کے حق میں مثل عورت یا خنثیٰ کے ہے۔ کہ جیسے عورت وخنثیٰ کسی نماز میں مرد کی امامت کے قابل نہیں ایسے ہی نابالغ بچہ بھی۔ اسی کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قال فی الهدایۃ وفی التراویح والسنن المطلقۃ جوزہ مشائخ بلخ ولم یجوزہ مشائخنا والمختار انہ لا یجوز فی الصلوۃ کلها والمراد بالسنن الرواتب والعید فی احدی الروایتین وکذا الوتر والکسوفان والاستسقاء (فتح) شامی نے تصریح فرمادی کہ نفل و فرض سنت و واجب کسی نماز میں نابالغ بچہ بالغوں کی جماعت نہیں کرا سکتا۔ ہدایہ باب الامامت میں ہے۔ ولا یجوز للرجال ان یقتدوا بامرأۃ اوصبی وفی التراویح والسنن المطلقۃ جوزہ مشائخ بلخ ولم یجوزہ مشائخنا والمختار انہ لا یجوز فی الصلوۃ کلها لان نفل الصبی دون نفل البالغ حیث لا یلزمہ القضاء بالافساد بالاجماع ولا یبنی القوی علی الضعیف۔ غرضیکہ کسی نماز میں نابالغ بچہ بالغوں کی امامت نہیں کر سکتا۔ عقل کا بھی تقاضا یہی ہے کہ یہ امامت ناجائز ہو۔ اولاً اس لئے کہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ کوئی نماز ضعیف کے پیچھے نہیں ہو سکتی کیونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ضمن میں ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قوی ضعیف کو اپنے دامن میں لے سکتا ہے۔ نہ کہ ضعیف قوی کو اسی لئے فرض والے کی نماز نفل والے کے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ بالغ کی نفل شروع کرتے ہی واجب بن جاتی ہے۔ اور اگر توڑ دے تو قضا کرنی پڑے۔ نابالغ کا یہ حال نہیں۔ اگر وہ نماز شروع کرکے توڑ دے تو قضا واجب نہیں۔ اگر بالغ نابالغ کے پیچھے نفل پڑھے، تو گویا واجب نفل کے پیچھے ادا کررہا ہے اور یہ شرعی قاعدہ کے خلاف ہے۔ نیز جماعت میں بچوں کو بالغوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے۔ مردوں کے برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اولاً مرد صف

باندھیں پھر بچے پھر خنثیٰ پھر عورتیں۔ جب بچوں کو مردوں کے برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے تو انہیں امام بن کر آگے کھڑا ہونا کیونکر جائز ہوگا۔ حدیث شریف میں عورتوں کے بارے میں ارشاد ہوا۔ اخروھن من حیث اخرھن اللہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیچھے رکھا ہے تم بھی انہیں پیچھے رکھو کہ نماز میں نہ تو مردوں کے برابر کھڑا ہونے دو۔ نہ امام بنا کر آگے کھڑا کرو۔ علمائے بلخ کا یہ قول قواعد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے ان کی دلیل ضعیف یہ ہے کہ اگر امام بھول کر پانچویں رکعت میں کھڑا ہو جائے اور اس رکعت میں اگر کوئی جماعت سے ملے تو بالاتفاق یہ شخص جماعت میں شریک ہوگیا حالانکہ امام کی یہ رکعت نفل ہے اور اس مقتدی کی فرض۔ اسی کو صلوٰۃ مظنونہ کہتے ہیں۔ جب اس رکعت میں فرض والا اقتدا کر سکتا ہے تو بچے کے پیچھے بھی بالغ کی نماز ہو سکتی ہے۔ مگر اس دلیل پر دو طرح جرح ہے ایک یہ کہ امام زفر کے نزدیک یہ رکعت مظنونہ واجب الادا ہو جاتی ہے۔ اس کے توڑنے پر قضا واجب لہٰذا اس کے نفل ہونے پر اجماع نہ رہا۔ بخلاف بچے کے کہ اس کی نماز کے غیر واجب ہونے پر اجماع ہے۔ دیکھو ہدایہ میں مقام امامت۔ لہٰذا بچہ کی نماز اس پر قیاس کرنا غلط ہے۔ اختلاف مجتہدین سے مسئلہ میں وسعت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ پھر تو مشائخ بلخ کو چاہیے کہ بچے کے پیچھے بالغ کی فرض نماز بھی جائز رکھیں کیونکہ رکعت مظنونہ میں فرض کی اقتدا درست ہے۔ عجیب بات ہے کہ مقیس علیہ میں فرض کی اقتداء ہو رہی ہے اور مقیس میں آپ نفل کی قید لگاتے ہیں۔ بہرحال بقاعدہ حنفیہ نابالغ بچے کے پیچھے بالغ کی کوئی نماز جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

جنگی قیدی نومسلم عورتوں سے نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ مشرکہ عورتیں گرفتار ہو کر دارالاسلام میں لائی جا رہی ہیں۔ غازی انہیں فروخت کر جاتے ہیں۔ بعد میں وہ بخوشی مسلمان ہو جاتی ہیں۔ ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو آیا ان پر اپنے پہلے نکاح کی عدت لازم ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ان عورتوں سے جو اپنے شوہر سے حاملہ ہوں ان سے فی الحال نکاح نہیں ہو سکتا۔ وضع حمل کا انتظار ضروری ہے۔ اور جو غیر حاملہ ہوں خواہ کنواری ہوں یا شادی شدہ ان سے فوراً نکاح بھی درست ہے اور جماع بھی۔ بخاری شریف جلد اول کتاب الجہاد باب۔ باب غزو الصبی للخدمۃ میں ہے۔ فلما فتح اللہ علیہ

الحسن ذکرلہ جمال صفیۃ بنت حیی بن اخطب وقد قتل زوجہا وکانت عروسًا فاصطفاہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ فخرج بہا حتی اذا بلغنا سد الصہباء حلت فبنی بہا ثم صنع حیسا فکانت تلک ولیمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صفیۃ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت صفیہ جنگ میں گرفتار ہو کر آئیں شادی شدہ تھیں۔ مگر فوراً ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے مشرف ہوئیں اور راستہ میں زفاف بھی ہوا۔ عدت وغیرہ کچھ نہ گزاری گئی۔ درمختار باب العدۃ میں ہے۔ وکذا لاتعتد مسبیۃ افترقت بتباین الدارین لان العدۃ حیث وجبت انما وجبت حقا للعباد والحربی ملحق بالجماد الا الحامل فلا یصح تزوجہا لا لانہا معتدۃ بل لان فی بطنہا ولدًا ثابت النسب ثوبیۃ خرجت الینا مسلمۃ او ذمیۃ او مستامنۃ ثم اسلمت وصارت ذمیۃ الا الحامل۔ خلاصہ یہ ہے کہ کافر قیدی عورتیں غیر حاملہ سے نکاح اور صحبت فوراً درست ہے حاملہ سے فی الحال درست نہیں۔ کفار کا آپس کا نکاح شرعاً درست ہے اسی لئے قرآن کریم نے ام جمیلہ کو ابولہب کی بیوی فرمایا۔ وامرأتہ حمالۃ الحطب۔ اسی لئے ان کے بچے حلال ہیں کہ باپ کی میراث پائیں گے۔ اگر زوجین اسلام قبول کرلیں تو نئے نکاح کی ضرورت نہیں مگر زوال نکاح سے مسلمان پر عدت لازم نہیں کہ وہ نکاح قابل احترام نہیں اور نہ کافر شوہر صاحب استحقاق۔

احمد یار خاں غفرلہ

مدارس کے چندہ سے مزدوروں کو اُجرت دینے کا بیان

فتویٰ نمبر ۴۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر مدارس اسلامیہ میں چندہ وصول کرنے والوں کی اُجرت اسی چندہ کی رقم سے نصف یا تہائی یا چوتھائی کی شرح پر دی جاتی ہے۔ حالانکہ چندہ میں آئی ہوئی رقم صدقات فطرات زکوٰۃ وغیرہ بھی ہوتی ہے۔ جس کی پوری مقدار مدرسہ میں پہنچنی چاہیے کیونکہ چندہ دینے والا اس پر راضی نہیں کہ اس کے دیئے ہوئے کا کوئی حصہ یہ سفیر حق سفارت میں وضع کرے اور اگر مہتمم مدرسہ سفیر سے یہ کہہ دے کہ تم جس قدر چندہ وصول کرو گے اس کی مقدار کا نصف یا تہائی مدرسہ کے فنڈ سے دیا جائے گا۔ تب بھی اگرچہ وہ سفیر چندہ مدرسہ میں دے دے اور اس کی مقدار کا ایک حصہ مہتمم مدرسہ کے مدرسہ میں سے دے تب بھی اُجرت مجہول رہی۔ حالانکہ کام و اُجرت دونوں معین ہونے ضروری ہیں اگر اُجرت مجہول رہی تو اجارہ فاسدہ ہوگا۔ جیسے کہ عالمگیری جلد ثالث کے پندرھویں باب کی

تیسری فصل کے مسائل میں مذکور ہے۔ حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک بھی یہی تھا کہ چندہ کی مقدار کا کوئی حصہ کرنا ناجائز ہے اور اجارہ کو فاسد کر دیتا ہے اور غالباً مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب دامت برکاتہم بھی اپنے مدرسہ کے چندہ کرنے والوں کی تنخواہ ہی مقرر فرماتے ہیں اور اس قسم کے مذکورہ بالا اجارہ کو فاسد فرماتے ہیں لیکن محصلین چندہ کے بارے میں تجربات شاہد ہیں کہ وہ مقرر کرنے میں دل سے کام کرتے ہیں۔ اور اس طرح مہتممانِ مدرسہ بھی بے فکر رہتے ہیں اور تنخواہ دار سفیر تو محض پیٹ پورا کرتے ہیں۔ اسی مجبوری کو دیکھ کر اکثر مدارس اسلامیہ کے منتظمین نے تنخواہ دار سفراء کی اجرت بجائے تنخواہ کے چندہ کا ہی ایک حصہ تہائی یا نصف وغیرہ مقرر کر دیا۔ اس کو جائز سمجھا جائے جیسے کہ کتاب کے پندرھویں باب کی تیسری فصل میں ہے۔ دفع غزلا الی حائک لینسجہ بالنصف فالثوب لصاحب الغزل و مشائخ بلخ یجوزون واہذہ الاجارۃ لمکان الضرورۃ والتعامل۔ حضور کی خدمت میں استدعا ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق دقیق سے مطلع فرمائیں تاکہ منتظمین مدرسہ و سفراء و محصلین کے لئے اس کو اخباروں میں شائع کرا دیا جائے۔

بینوا توجروا۔

الجواب

سفیر مدرسہ کی اجرت چندہ کے نصف یا چہارم سے مقرر کرنا جائز ہے شرعاً ممنوع نہیں لیکن اس میں اتنی احتیاط کی جائے کہ سفیر صدقات واجبہ کی رقم دوسرے صدقات میں مخلوط نہ کرے اور وہ رقم بعینہٖ مہتمم مدرسہ کے حوالہ کردے اس کے چہارم یا نصف کے بقدر دوسرے مال سے لے لے۔ یہ احتیاط جب ہے کہ جب سفیر غنی یا ہاشمی ہو اور مصرف زکوٰۃ نہ ہو لیکن اگر خود مصرف زکوٰۃ ہے تو اس احتیاط کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ مدرسہ کے طلباء اور مدرسین اور خدام کے سارے مصارف مدرسہ کے ہی مصارف ہیں ان میں سے کسی میں خرچ کرنا مدرسہ پر ہی خرچ کرنا ہے۔ لہٰذا دینے والوں کا اس سے ناراض ہونا بیکار ہے نیز یہ اجرت وصول چندہ کی ہے۔ لہٰذا یہ سفیر مثل عامل زکوٰۃ ہے۔ درمختار میں ہے او عامل فیعطی العامل والعاشر فیعطی ولو غنیا لا ہاشمیا لانہ فرغ نفسہ لہذا العمل کابن السبیل۔ رد المحتار میں ہاشمی عامل کے بارے میں فرمایا۔ ما ذکرہ ہہنا صریح فی عدم حل الاخذ مطلقا جمعۃ من الصدقۃ لا من غیرہ فلا دلیل فیہ علی عدم صحۃ تولیتہ عاملا اذا رزق غیرہا نیز عالمگیری باب المصارف میں عامل کے متعلق ہے۔ فان حمل الہاشمی علیہا و رزق من غیرہا لا بأس بہ ہکذا فی الخلاصۃ۔ صاف معلوم ہوا کہ اگر غیر مصرف زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا عامل مقرر کیا جائے اور تنخواہ دوسرے پیسے سے دی جائے تو جائز ہے۔ جہالت اجرت کا سوال بھی درست نہیں کیونکہ اجارہ اور بیع میں وہی جہالت فساد عقد کا باعث ہے جس سے جھگڑا پیدا ہو۔ ورنہ مطلق جہالت عقد کی مفسد نہیں۔ درمختار شروع کتاب الاجارہ میں ہے۔

وشرطها کون الاجارۃ والمنفعۃ معلومتین لان جہالتہما تفضی الی المنازعۃ نیز ہدایہ جلد ثالث باب خیار رؤیت میں ہے ۔ ولان الجہالۃ لعدم الرؤیۃ لا تفضی الی المنازعۃ ۔ چونکہ نصف در بیع اجرت مقرر کرنا باعث منازعت نہیں لہٰذا جائز ہے ۔ اسی لئے کھیت کی زمین کا نصف یا چوتھائی پیداوار پر اجارہ جائز ہے ۔ ورنہ سفیر کو تنخواہ پر رکھنا بھی ناجائز ہونا چاہئے کیونکہ اس کا عمل مجہول ہے ۔ نہ معلوم کہ مہینہ میں کتنا سفر کرے گا یا کتنا چندہ وصول کرسکے گا ۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اجیر کی اجرت اس کے عمل سے دینا ناجائز ہے ۔ اسی لئے چکی والا کو پسائی میں آٹا دینا منع ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شے میں عمل کرنے اور عمل سے اس شے کے حاصل ہونے میں بڑا فرق ہے ۔ چندہ کا پیسہ سفیر کی کوشش سے حاصل ہوا ۔ سفیر نے اس پیسہ میں کوئی عمل نہیں کیا ہے ۔ لہٰذا چندہ سے سفیر کو اجرت دینا جائز ہے ۔ اور آٹے سے پسائی کی اجرت اور کپڑے سے جولاہا کی اجرت دینا منع ۔ چندہ کھیت کی پیداوار کی طرح ہے جس سے مزارع کو اجرت دیا جاتا ہے ۔ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کی مخالفت میری نظر سے نہیں گزری ۔ اور نہ وجہ مخالفت سمجھ آئی ۔ میرے قیام مراد آباد کے زمانہ میں مدرسہ منظر اسلام بریلی کے سفیر وہاں پہنچا کرتے تھے ۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ یہ حضرات چہارم چندہ کے مستحق ہوتے ہیں ۔ واللہ اعلم ۔ احمد یار خاں عفی عنہ

فاتحہ اور ختم شریف کا حکم

فتویٰ نمبر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے جلالپور جٹاں میں ایک مہاجر مولوی صاحب ہیں وہ حسب ذیل باتیں کرتے ہیں ۔

(۱) کھانے پر ختم دلانا حرام ہے ۔

(۲) میت کے لئے تین دن ماتم پرسی کے لئے بیٹھنا حرام ہے ۔

(۳) بعد نماز جنازہ کے دعا کرنا حرام ہے ۔

(۴) محفل میلاد شریف گیارھویں وغیرہ عرس بزرگان حرام ہے کیونکہ یہ چیزیں زمانہ پاک نبوی میں نہ تھیں لہٰذا یہ بدعت حرام ہے ۔

(۵) زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے نہ ہوا ۔ اس کے ثبوت میں نہ آیت قرآنی ہے نہ کوئی صحیح حدیث وہ بدچلن اور فاحشہ عورت تھی ۔ اس کا یوسف علیہ السلام کی بیوی ہونا شان نبوت کے خلاف ہے ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ

وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ ۔

(۹) یوسف علیہ السلام کے بھائی باوجود گنہگار رہنے کے نبی تھے۔ ان کی تعظیم کرنا گناہ ہے۔ یہ عالم ربانی فرماتے ہیں کیا یہ اعتقاد درست ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

امور مذکورہ کے یہ تمام مسائل غلط اور بے بنیاد ہیں۔ ختم، فاتحہ، دعا بعد نماز جنازہ وغیرہ کار خیر ہیں۔ ان کے کرنے والا مستحق ثواب ہے۔ ان مسائل کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔ میں دو قاعدے عرض کرتا ہوں جن قاعدے سے ان چار مسائل کا فیصلہ خود بخود ہو جائے گا۔ اور دوسرے قاعدے سے ان شاء اللہ آخری مسئلے خود بخود حل ہو جائیں گے۔ حرام و حلال جاننے کے لئے ایک قاعدہ ضرور خیال میں رکھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ حرام یا ناجائز کام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا۔ اور اس سے منع فرمایا۔ حلال وہ کام ہے جو اللہ و رسول نے منع نہ فرمایا ہو یا تو اس طرح کہ ان کے حلال ہونے کا ذکر فرمایا ہو یا اس طرح کہ ان سے سکوت ہو۔ ان کا ذکر ہی نہ فرمایا ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۔ معلوم ہوا کہ جو باتیں اللہ کے رسول نے ذکر نہ فرمائیں وہ معاف ہیں۔ مشکوٰۃ شریف جلد دوم کتاب الاطعمہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الحلال ما احل اللہ والحرام ما حرم اللہ وما سکت عنہ فھو معفو۔ حلال وہ جسے اللہ تعالیٰ نے حلال فرما دیا۔ حرام وہ جسے رب تعالیٰ نے حرام فرما دیا اور جس سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔ شامی، عالمگیری وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ ہر چیز اصل میں مباح ہے۔ ممانعت سے حرام ہوگی۔ جیسے کوئی چیز بغیر امر کے واجب نہیں ہو سکتی ایسے ہی بغیر ممانعت کے حرام نہیں ہو سکتی۔ اب جو شخص گیارہویں وغیرہ کسی چیز کو حرام کہے۔ اس سے مطالبہ کرو کہ دکھاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہاں منع فرمایا ہے یہ کہنا کہ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو وہ حرام ہے۔ یہ قاعدہ بالکل غلط ہے۔ چھ کلمے، ایمان مجمل، ایمان مفصل۔ قرآن شریف کے تیس پارے۔ پورا علم حدیث یعنی اسناد کی جمع اور حدیث کے اقسام ضعیف، حسن، صحیح، منقطع، مدلس وغیرہ ان کے احکام کہ ضعیف سے حسن اعلیٰ ہے۔ حسن سے صحیح قوی ہے۔ پورا علم فقہ اور اس کی اصطلاحیں۔ علم اصول فقہ۔ اصول حدیث۔ اسلامی مدرسے۔ وہاں کا نصاب۔ دستار بندی سند لے کر مولوی بننا۔ شریعت کے چاروں سلسلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ طریقت کے سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی وغیرہ۔ ان میں کوئی چیز زمانہ نبوی میں نہ تھی۔ نقشبندی اور چشتی فارسی الفاظ ہیں۔ ان چیزوں کو تمام دنیا عموماً جائز کہتی ہے بلکہ ضروری مانتی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی شے کا زمانہ نبوی کے بعد ایجاد ہونا حرام کا سبب نہیں۔ نیز فاتحہ وغیرہ میں

دو عبادتوں کا جمع کرنا ہے۔ یعنی تلاوت قرآن اور صدقہ۔ جب یہ دونوں عبادتیں علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو جمع ہو کر ضرور حلال ہیں۔ حلال چیزوں کا مجموعہ حلال ہی ہوتا ہے۔ جیسے بریانی۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے ثبوت کے لئے ہر جگہ نص قرآنی یا صحیح حدیث کی ہی ضرورت نہیں ثبوت کے ذریعہ چار ہیں۔ وحی۔ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چارسے حواس دلالت عقلی۔ آخرت کے معاملات وحی یا قول رسول سے ثابت ہیں۔ مگر معظمہ کا ثبوت بھی مشاہدہ سے ہوا۔ رب تعالیٰ کی ذات اس کی وحدانیت عقل سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اسی لئے جسے تبلیغ رسول نہ پہنچے۔ اسے بھی توحید پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ففی کل شئی لہ اٰیۃ تدل علی انہ واحد۔ بلکہ علامہ شامی نے کتاب الشہادت میں فرمایا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں۔ جن میں صرف شہرت یا علامت سے بھی گواہی دی جا سکتی ہے جیسے نسب نکاح اوقات تبرکات۔ کسی کا سید مشہور ہونا۔ یا کسی پردیسی کا اپنے بال بچوں کو لے کر مثل زن و شوہر رہا بسنا۔ اس سے سید ہونے یا اس کے نکاح کے علامات ہیں۔ اسی طرح کسی عمارت کے مینارے و گنبد ہونا اس کے مسجد ہونے کی علامت ہے اگرچہ نہیں واقف کی تحریر وقف کی مگر اس علامت پر ہم اس کے مسجد ہونے کی گواہی دے سکتے ہیں۔ ملا علی قاری نے ملک متقسط میں لکھا کہ حاجی اس مقام کی زیارت کرے جس کی زیارت عام مسلمان کرتے ہوں۔ ثبوت کے درپے نہ ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ مسلمان رب تعالیٰ کے گواہ ہیں اسی لئے عام مسلمان جسے ولی اللہ کہیں۔ وہ واقعی رب کا ولی ہوتا ہے۔ جیسے حضور غوث پاک یا خواجہ اجمیری قدس سرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انتم شھداء اللہ فی الارض۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ حضرت زلیخا کا نکاح یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایک تاریخی واقعہ ہے جو مسلمانوں میں عام طور سے مشہور ہے۔ علماء صوفیاء محدثین مفسرین نے بیان فرمایا۔ جیسے تفسیر جلالین و کبیر و مدارک وغیرہ میں علامہ جلال الدین سیوطی و فخر الدین رازی وغیرہم نے بیان فرمایا۔ اتنی شہرت اتنے اکابر کا بیان کرنا اس تاریخی واقعہ کے ثبوت کے لئے کافی ہے جو اس کا انکار کرے۔ وہ کوئی نقلی حدیث پیش کرے۔ در مختار کتاب الشہادۃ میں ہے۔ ولا یشھد احد بما لم یعاینہ بالاجماع الا فی عشرۃ علی ما فی شرح الوھبانیۃ منھا العتق والولاء عند الثانی والمھر علی الاصح بزازیہ والنسب والموت والنکاح والدخول بزوجتہ و لایۃ القاضی واصل الوقف وقیل وشرائطہ علی المختار نما مر فی باب قبلہ الشھادۃ بذالک اذا اخبرہ بھا بھذا الاشیاء من یثق الشاھد بہ من خبر جماعۃ لا یتصور تواطؤھم علی الکذب بلا شرط عدالۃ و شھادۃ عدلین۔

جب محض نکاح پر نکاح کے احکام وراثت مہر وغیرہ جاری ہو جاتے ہیں۔ تو حضرت زلیخا کے نکاح پر تو ہیں

کوئی احکام بھی جاری نہیں کرتا ہے ۔ وہ بدرجہ اولیٰ ان مجرموں سے ثابت ہونا چاہیئے۔ حضرت زلیخا نہ فاحشہ تھیں نہ چلتی۔ قرآن کریم نے ان کے متعلق صرف اتنا بیان فرمایا ہے کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ حضرت زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کیا۔ قصد زنا نہیں۔ نہ اس پر احکام زنا جاری ہوں۔ اور یہ قصد بھی حسن یوسف پر وارفتہ ہونے کی وجہ سے ہوا جیسے مصری عورتوں نے اس جمال یوسفی کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ جیسے وہ عورتیں معذور تھیں ایسے ہی حضرت زلیخا نے وارفتگی اور بے خودی کی حالت میں یہ کیا۔ پھر قرآن کریم نے حضرت زلیخا کی سچی توبہ کا ذکر بھی فرمایا ہے کہ زلیخا نے کہا۔ اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ ۔ اب یہ حق ظاہر ہوگیا میں نے ہی انہیں رغبت دی تھی اور اپنے جرم کا اقرار توبہ ہے۔ تو جتنے گناہ حضرت زلیخا سے ہوئے۔ وہ سب اس توبہ سے معاف ہو گئے۔ تعجب ہے کہ رب تعالیٰ قرآن کی توبہ کا اعلان کرے اور یہ گستاخ انہیں فاحشہ کہے جاویں۔ نیز حضرت زلیخا نے یوسف علیہ السلام پر بہت سے احسانات کئے۔ ان پر اپنی جان و مال نثار کیا۔ ایسی محسنہ کو گالیاں دینا اپنی آخرت برباد کرنا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خان غفرلہ

جبری نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر ۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو مجبور کر کے اسلحہ دکھا کر اس کی نابالغ لڑکی کا نکاح عمر سے کرا دیا گیا۔ لڑکی نے بالغ ہوتے ہی ـــــــ فوراً دیکھتے ہی نکاح فسخ کر دیا تو نکاح جبری صحیح ہوا یا نہیں۔ اگر صحیح ہوا تو فسخ ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر صغیرہ کا ولی مجبرہ صغیرہ کا نکاح کفو میں کر دے یا خود کبیرہ اپنے کفو میں کر دے تو نکاح درست ہے اور اگر غیر کفو میں کرے تو نکاح درست نہیں۔ حاکم علیحدگی کا حکم دے دے گا۔ شامی شروع کتاب النکاح میں ہے۔ تزوجها اولیاءها مکرهین فالنکاح جائز و یقول القاضی للزوج ان شئت اتمم لها مهر مثلها وهی امرأتک ان کان کفوا لها والا فرق بینهما ولا شیء لها۔ باپ دادا اگر صغیرہ کا نکاح کر دیں تو وہ بالغ ہو کر نہیں توڑ سکتی۔ ہاں اگر ان کے متعلق مشہور ہو کہ وہ رشوت یا بے پرواہی سے نامناسب جگہ اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دیتے ہیں یا انہوں نے دیوانگی یا بے ہوشی کی حالت میں نکاح غلط جگہ کیا ہو تو صغیرہ بالغ ہو کر نکاح فسخ کر سکے گی۔ شامی باب الاولیاء میں ہے۔ ولزم النکاح ولو بغبن فاحش

او بغیر کفو ان کان الولی المزوج ابا او جدا لم یعرف منهما سوء الاختیار مجانۃ وفسقا وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران فزوجها من فاسق او شریر او فقیر او ذی حرفۃ دنیّۃ لظهور سوء اختیاره۔ اگر باپ دادا پہلے سے اس کام میں مشہور ہوں کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح بے پرواہی یا رشوت وغیرہ سے غیر کفو میں کر دیتے ہوں، تب لڑکی فسخ کر سکے گی ورنہ نہیں۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ والحاصل ان المانع هو کون الاب مشهورا بسوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشهورا بذلک ثم زوج بنتہ من فاسق صح۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

پاگل خاوند سے طلاق لینے کا بیان

فتویٰ نمبر ۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا شوہر گیارہ برس سے پاگل ہے۔ کسی وقت ہوش میں نہیں آتا۔ اب اس کے طلاق کی کیا صورت ہے؟ کسی امام کے مذہب پر اسے نکاح سے علیحدگی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

بہتر یہ ہے کہ عورت صبر کرے۔ بعض علماء نے حسب ذیل شرائط کے ماتحت عورت کو فسخ نکاح کی اجازت دی ہے۔ دیکھو رسالہ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ۔

۱۔ عورت کی طرف سے جنون پر رضامندی نہ پائی جاوے۔ اگر نکاح سے پہلے جنون کا پتہ تھا اس کے باوجود نکاح کیا تو فسخ کا اختیار نہیں۔ اگر نکاح کے بعد جنون یا خبر جنون ہوئی تو بھی عورت نے رضامندی ظاہر نہ کی ہو۔ اگر ایک بار بھی رضامندی ظاہر کر دی تو خیار گیا۔

۲۔ جنون کا پتہ لگنے کے بعد عورت نے اپنے اختیار سے مرد کو جماع یا دواعی جماع کا موقعہ نہ دیا ہو اور اگر کبھی مرتبہ بخوشی دیا تو فسخ کا اختیار گیا۔

نوٹ ضروری: اگر معمولی جنون تھا عورت نے شوہر کو جماع کا موقعہ بخوشی دے دیا۔ پھر بعد میں جنون ترقی کر گیا تو بھی عورت کو فسخ کا اختیار ہوگا۔ کیونکہ جس جنون سے عورت راضی ہوئی وہ اور قسم کا تھا یہ دوسری نوعیت کا ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

سورتوں کی ترتیب اور سورۃ چھوڑنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۱۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام پہلی رکعت میں اذا جاء اور دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ دوسرا امام خلاف ترتیب سورتیں پڑھتا ہے۔ مثلاً پہلی میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ دوسری میں اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

۱۔ دو رکعتوں کی سورتوں میں یا تو چند چھوٹی سورتوں کا فاصلہ چاہیے یا ایک بڑی سورت کا اور اذا جاء اور قُلْ هو اللّٰه کے درمیان تبت یدا ہے جو چھوٹی سورت ہے اور ایک چھوٹی سورۃ کا فاصلہ مکروہ ہے لہٰذا اس طرح پڑھنا مکروہ ہے۔ درمختار باب القرأت میں ہے۔ ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ۔ عالمگیری باب القرأۃ میں ہے۔ واذا جمع بین سورتین بینھما سور او سورۃ واحدۃ فی رکعۃ واحدۃ یکرہ واما فی الرکعتین ان کان بینھما سور لا یکرہ وان کان بینھما سورۃ واحدۃ قال بعضھم یکرہ وقال بعضھم ان کانت السورۃ طویلۃ لا یکرہ ھکذا فی المحیط کما اذا کان بینھما سورتان قصیرتان واللّٰه ورسولہ اعلم۔

۲۔ فرض نماز میں قرآن کی سورتیں ترتیب قرآن کے مطابق پڑھنا واجب ہے اگر عمداً خلاف ترتیب پڑھیں جاویں تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ جس کا لوٹانا ضروری ہوگا۔ درمختار باب القرأۃ میں ہے۔ ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسا الا اذا ختم فیقرأ من البقرۃ۔ اسی کے حاشیہ ردالمحتار میں اسی جگہ ہے۔ بان یقرء فی الثانیۃ اعلیٰ مما قرء فی الاولیٰ لان ترتیب السور فی القرأۃ من واجبات التلاوۃ وانما جوز للصغار تسھیلاً لضرورۃ التعلیم۔ اسی طرح عالمگیری باب القرأۃ میں ہے۔ واذا قرء فی رکعۃ سورۃ وفی الرکعۃ الاخری او فی تلک الرکعۃ سورۃ فوق تلک السورۃ یکرہ۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز میں ترتیب قرآن کا لحاظ واجب ہے۔

واللّٰه ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں نعیمی

غائب خاوند کے موت کی خبر پر بیوی کا دوسری جگہ نکاح کرنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل میں۔

۱۔ ایک عورت کا خاوند غائب ہے۔ کسی طرح اس کی موت کی خبر آئی۔ آیا اس خبر پر وہ عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ کیا وہ نوے سال پورے کرے۔ یونہی کوئی اجنبی عورت کہہ دے کہ میرا خاوند مارا گیا یا مجھے طلاق دے چکا ہے۔ آیا اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ پاکستان بنتے وقت جو انقلاب ہوا اس وقت بعض مہاجرین سکھوں میں گھرے ہوئے دیکھے گئے مگر انہیں مرتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ آیا وہ مفقود کے حکم میں ہیں یا ان کی بیویاں دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں۔ ایسے ہی وہ لوگ جو جنگ جرمن میں گئے اور لاپتہ ہو گئے۔ ان کی عورتیں کیا کریں؟

۳۔ بعض جنگ جرمن میں جانے والے لاپتہ سپاہیوں کے متعلق دفتر سے اطلاع ملی کہ سنا گیا ہے وہ مارا گیا۔ اس خبر پر اعتماد کر کے ان کی بیویاں نکاح کر سکتی ہیں۔ ان مسائل کی اس وقت سخت ضرورت درپیش ہے اس مشکل کو حل کیا جاوے۔

الجواب

۱۔ صورت مذکورہ میں اگر موت کی خبر دینے والا فاسق فاجر نہ ہو۔ بلکہ نیک متقی آدمی ہو جس کی خبر قابل اعتبار ہو۔ تو عورت مذکورہ اپنا نکاح دوسری جگہ کر سکتی ہے کیونکہ اس طرح سے وہ شخص مفقود نہ رہا۔ مفقود تو وہ ہے جس کی کسی طرح کی خبر نہ ملے کہ کہیں غائب ہوا۔ اور غائب کے اور احکام ہیں۔ مفقود کے کچھ اور۔ در مختار باب العدۃ میں ہے ــ

اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات او طلقها ثلاثا او اتاها منه كتاب على ثقة بالطلاق ان اكبر رأيها انه حق فلا بأس ان تعتد وتتزوج وكذا لو قالت امرأة لرجل طلقني زوجي وانقضت عدتي لا بأس ان ينكحها۔ اسی طرح اگر اجنبی عورت بیان کرے کہ میرا خاوند مر گیا۔ میری عدت بھی پوری ہو چکی تو اس کا اعتبار کرنا درست ہے اور نکاح جائز ہے جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوا۔

۲۔ ایسے لوگ بے شک مفقود تو ہیں مگر ہر مفقود کا حکم یکساں نہیں جو آدمی ایسی آفت میں گرفتار ہو کر لاپتہ ہو جائے اس کے لئے اتنی دراز مدت انتظار کرنا ضروری نہیں۔ اس کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ شخص قوم کا بڑا آدمی تھا۔ جیسے بادشاہ یا وزیر یا کوئی بڑا آدمی جس کی زندگی مشتہر ہو جاتی ہے اس کے لئے تھوڑے دن انتظار کیا جائے اور جو غیر معروف

فوج میں ان کے لئے اس قدر انتظار کر لیا جاوے جس سے غالب گمان ہو جاوے کہ وہ مر گیا ہوگا پھر اس کی بیوی اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ نوے سال کی قید اس مفقود کے لئے ہے جو ویسے ہی گھر سے لاپتہ ہو گیا ہو۔ چنانچہ شامی کتاب المفقود میں ہے۔ واذا فقد فی مهلکة فموته غالب فیحکم به کما اذا فقد فی وقت الملاقات مع العدو او مع قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب هلاکه او کان سفره فی البحر وما اشبه ذالک حکم بموته لانه الغالب فی هذه الحالات۔ اسی شامی میں اسی مقام پر ہے۔ لکن لا یخفی انه لا بد من مضی مدة طویلة حتی یغلب علی الظن موته لا بمجرد فقده عند ملاقاة العدو وسفر البحر الا اذا کان ملکا عظیما فانه اذا بقی حیا تشتهر حیاته۔ غرضکہ دشمن یا جدوں میں پھنس کر لاپتہ ہونے والا ایسے ہی مہلک بیماری کا لاپتہ مریض اور سمندر کا مسافر وغیرہ سب کا یہی حکم ہے کہ اس میں غلبہ ظن کا اعتبار ہے۔

۲ اس صورت میں اگر فوجی دفتر سے کوئی پرچہ آوے یا مسلمان گواہ کہے کہ میں نے سنا ہے کہ فلاں مارا گیا۔ تو اس کی بات قابل اعتبار ہے۔ عورت دوسرے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ بعد میں اگر بہت سے لوگ بھی کہیں کہ وہ زندہ ہے کسی کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق باب العدۃ میں ہے۔ قال رجل لامرأة سمعت ان زوجک مات فلها ان تتزوج ان کان المخبر عدلا فان تزوجت باخر واخبرها جماعة بانه حی ان صدقت الاول صح النکاح کذا فی فتاوی النسفی۔ اور اس جنگ میں گئے ہوئے لوگ چونکہ دشمن میں گھر کر لاپتہ ہو گئے ہیں۔ اس لئے اب وہ وفات پا چکے ہیں۔ اگر کوئی خبر نہ بھی ملے جب بھی ان کی بیویاں اپنا نکاح کر سکتی ہیں۔ جیسے کہ دوسرے جواب سے معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

نکاح فاسد و باطل کا فرق

فتویٰ نمبر ۸۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) نکاح فاسد و باطل میں کیا فرق ہے۔ اور ان کے احکام کیا ہیں؟

(۲) اور اگر حلالہ کی صورت میں نکاح فاسد کر دیا۔ تو حلالہ درست ہوا یا نہیں۔

الجواب

۱ جس نکاح کے جواز میں علمائے امت کا اختلاف ہو وہ نکاح فاسد ہے اور جس کے فساد میں اتفاق ہو وہ نکاح باطل ہے۔ اور جس کے جواز میں اتفاق ہو وہ نکاح صحیح ہے لہذا بغیر گواہ کے نکاح یا دوسرے کی عدت میں نکاح فاسد ہے

کی وجہ سے یا دو بہنوں سے نکاح یا ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح یا چار بیویوں میں سے ایک کی عدت میں پانچویں سے نکاح۔ حرہ کی موجودگی میں لونڈی سے نکاح۔ یہ تمام نکاح فاسد ہیں۔ شامی جلد دوم باب نکاح الفاسد میں ہے۔ ان محل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ کالنکاح بلا شہود فالدخول فیہ موجب العدۃ۔ اسی جگہ در مختار میں ہے۔ وھو الذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشہود اس کشہود کی شرح میں علامہ شامی نے فرمایا۔ ومثلہ تزوج الاختین معا ونکاح الاخت فی عدۃ الاخت ونکاح المعتدۃ والخامسۃ فی عدۃ الرابعۃ والامۃ علی الحرۃ۔ اور نکاح باطل وہ ہے جس کی حرمت میں تمام علماء کا اتفاق ہو۔ جیسے جان بوجھ کر دوسرے کی عدت میں نکاح کر لینا یا محرمات سے نکاح یا منکوحہ غیر سے نکاح، شامی میں اسی جگہ ہے۔ واما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انھا للغیر ولھذا یجب الحد مع العلم بالحرمۃ لانہ زنا۔ یہ فرق خیال میں رہے۔ غرضکہ اگر عورت یا مرد محل نکاح نہیں ہے جیسے محرم یا منکوحہ غیر یا مشرکہ تب تو نکاح باطل ہے اور اگر عورت تو محل نکاح ہے مگر کوئی شرط نکاح مفقود ہے۔ تب نکاح فاسد ہے اسی طرح اگر محل نکاح نہ ہو۔ جیسے مسلم کے لئے کافرہ یا مرتد مرد تب بھی نکاح باطل ہے۔ ان دونوں کے احکام میں فرق یہ ہے کہ نکاح فاسد میں وطی کے بعد عدت اور مہر مثل لازم ہوگا۔ اس سے نسب ثابت ہوگا۔ اس میں عورت مرد ہر ایک کو فسخ کا اختیار رہیگا۔ اور اگر مرد و عورت حرام سمجھ کر نکاح کریں تو ان پر حد ہے اور باطل میں ثبوت نسب عدت مہر وطی کچھ نہیں کیونکہ یہ زنا ہی ہے۔ درمختار باب العدۃ میں ہے۔ ھی تربص یلزم المرأۃ عند زوال النکاح فلا عدۃ لزنا او شبہۃ کنکاح فاسد او موطوءۃ لغیر زوجھا۔ اسی جگہ شامی میں ہے۔ لو تزوج امرأۃ الغیر ودخل بھا عالما بذلک لا یحرم علی الزوج وطأھا لانہ زنا۔ درمختار باب نکاح الفاسد میں ہے۔ ویجب مھر المثل فی النکاح الفاسد بالوطی لا بالخلوۃ ولم یزد علی المسمی ویثبت لکل واحد منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا او لا وتجب العدۃ بعد الوطی لا الخلوۃ من وقت التفریق ویثبت النسب۔

۵ نکاح فاسد سے حلالہ درست نہیں۔ حلالہ میں شرط یہ ہے کہ دوسرا زوج نکاح صحیح کرکے صحبت کرے تب حلالہ درست ہوگا۔ درمختار باب الرجعۃ میں ہے۔ ولا ینکح مطلقۃ بھا ای بالثلث لو حرۃ وثنتین لو امۃ حتی یطأھا غیرہ بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف وتمضی عدتہ۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خان غفرلہ

خیار بلوغ کے فسخ میں حاکم کے فیصلہ کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خیار بلوغ کی صورت میں لڑکی کا صرف فسخ کرنا کافی ہے یا حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہے۔ اگر حاکم کے فیصلے کی ضرورت ہو تو اگر لڑکی نے نکاح فسخ کر دیا مگر ابھی حاکم نے فیصلہ نہیں کیا ہے۔ تو کیا نکاح باقی ہے اور عورت مرد کو حلال ہے اور زوجین میں سے ایک دوسرے کی میراث کا مستحق ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

خیار بلوغ کی صورت میں لڑکی کے نکاح فسخ کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ نکاح حاکم کے فیصلہ سے ٹوٹے گا البتہ فسخ کر دینے سے فسخ نکاح کا استحقاق ثابت ہوتا ہے لہذا لڑکی کے انکار کرنے کے بعد حاکم کے فیصلے سے پہلے نکاح بدستور باقی رہتا ہے کہ صحبت بھی جائز اور توارث بھی جاری۔ عالمگیری باب الاولیاء میں ہے۔ وان زوجها غیر الاب والجد فلکل واحد منهما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ ویشترط فیه القضاء بخلاف خیار العتق فان اختار الصغیر والصغیرة بعد البلوغ ولم یفرق القاضی بینهما حتی مات احدهما توارثا ویحل للزوج ان یطأها ما لم یفرق القاضی بینهما۔

طلاق نامے میں ایک سال پیشتر کی تحریر کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل بعض لوگ طلاق نامہ میں لکھتے ہیں کہ میں ایک سال پہلے طلاق دے چکا ہوں۔ مگر باقاعدہ تحریر آج کر رہا ہوں اس صورت میں طلاق نامہ کی تحریر کے بعد عدت لازم ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں طلاق نامہ کی تحریر کے وقت سے ہی طلاق مانی جائے گی اور اسی وقت سے عدت شروع ہوگی اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس میں تہمت ہے کہ شاید عدت سے بچنے کے لئے یہ حیلہ کیا ہو۔ اگر عورت تصدیق بھی کر دے کہ واقعی مجھے فلاں زمانہ میں ہی طلاق دی تھی جب بھی حکم یہی ہے۔ درمختار باب العدۃ میں ہے۔ ولو اقر

بطلاقها منذ زمان ماض فان الفتوى انها من وقت الاقرار نفيا للتهمة المواضعة لكن ان كذبته في الاسناد او قالت لا ادري وجبت العدة من وقت الاقرار ولها النفقة و السكنى وان صدقته فكذلك الا انه لا نفقة ولا كسوة ولا سكنى لها ۔ اسی کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ ای سواء صدقته او كذبته ام قالت لا ادری. خلاصہ یہ کہ اقرار طلاق کی صورت میں اگر عورت تصدیق کردے تب عدت تو واجب رہے گی مگر نفقہ لازم نہ رہے گا۔ اور اگر تکذیب کرے تو عدت بھی لازم اور نفقہ بھی واجب۔ ہاں اگر مقر اعلیٰ درجہ کا فاسق ہو جس پر جھوٹ بولنے کا گمان نہ ہو سکے تو اس کا اقرار معتبر ہوگا اور اب عدت علیحدہ کرنی لازم ہوگی۔ اسی جگہ شامی میں ہے۔ وفي الفتح ان فتوى المتاخرين مخالفة للائمة الاربعة وجمهور الصحابة والتابعين وحيث كانت في لغتهم للتهمة فينبغي ان يتحرى به محالها والناس الذين هم مظنها ۔ اور اگر عورت مقر کے پاس ہی اب تک رہی ہو تب تو ظاہر ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ ورنہ اس نے اب تک عورت کو اپنے پاس کیوں رکھا اور طلاق چھپائی کیوں۔ اور جھوٹے فاسق کی خبر ناقابل قبول ہے۔ شامی نے اسی جگہ فرمایا۔ زجرا له حيث كتم طلاقها وهو المختار۔ واللہ ورسولہ اعلم

احمد یار خاں عفی عنہ

ماہ رمضان مبارک میں علانیہ کھانے پینے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض مسلمان رمضان شریف میں بلا عذر بازاروں میں علانیہ کھاتے پیتے ہیں۔ ان کی سزا اسلام نے کیا مقرر فرمائی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ایسے لوگ یا تو روزے کی فرضیت کے منکر ہیں۔ یا دین کا مذاق اڑاتے اور شعار اسلامی یعنی ماہ رمضان مبارک کی توہین کرتے ہیں۔ ان کے متعلق علمائے کرام اور ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ قتل کر دیئے جاویں۔ بعض کے نزدیک جو دین کی توہین کا موجب ہو ان کا یہی حکم ہے۔ در مختار کتاب الصوم بحث کفارہ میں ہے۔ ولو اكل عمدا شهرة بلا عذر يقتل وتمامه في شرح الوهبانية ۔ اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قال في الوهبانية

ولو اكل الانسان عمدا وشهرة ۔ ولا عذر فيه قيل بالقتل يؤمر

قال الشارح ابن الشحنة صورتها تعمد من لا عذر له الاكل جهارا يقتل لانه مستهزئ بالدين او منكر لما ثبت منه بالضرورة ولا خلاف في حل قتله والامر به فتعبير المؤلف

بقبیل لیس بلا نرام للنصف۔ بلکہ رمضان شریف کا ادب تو یہ ہے کہ مفسد بھی چھپ کر کھائے پیئے۔ لیکن یہ قتل حکومت اسلامیہ کا فرض ہے۔ ہر شخص کو اس کی اجازت نہیں جیسے قصاص اور زنا۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

غیر کفو میں نکاح کرنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بالغہ لڑکی نے اپنا نکاح بغیر ماں باپ کی اجازت کے ایسی نیچی قوم میں کر لیا جس سے اس قبیلہ کا نکاح کبھی نہیں ہوتا۔ بلکہ لڑکی والے اس قوم میں لڑکی دینا اپنی سخت ذلت و رسوائی محسوس کرتے ہیں۔ جب ماں باپ کو خبر ہوئی تو انہوں نے فوراً اس نکاح سے اپنی ناراضگی ظاہر کی۔ فرمایا جاوے کہ یہ نکاح درست ہوا یا نہیں! اگر نہیں تو اس لڑکی پر عدت واجب ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں صحیح یہ ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوا کیونکہ اگر بالغہ لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے تو اس کے لئے اذن ولی شرط ہے ورنہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ درمختار باب الولی کتاب النکاح میں ہے۔ فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضا ولی ویثبت للولی الاعتراض فی غیر الکفو فیفسخہ القاضی ما لم تلد ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان۔ اسی کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ وقال شمس الائمۃ وھذا اقرب الی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامۃ قاسم۔ اگر اس نکاح کے بعد صحبت ہو گئی ہے تو عدت ہے ورنہ نہیں۔ واللہ ورسولہ اعلم

احمد یار خاں عفی عنہ

بغیر ماتم کے فقط تعزیہ بنانے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسا تعزیہ جس میں نہ دُلدل ہو نہ کوئی قبر نہ اس کی پوجا ہو بلکہ محض یادگار حسین رضی اللہ عنہ منانے کے لئے بعض ارباب محبت امام عالی مقام کے روضہ کا نقشہ بنا کر تیار کریں اور زیارت کریں اور تعزیہ

کو کندھوں پر اٹھا کر گلی کوچوں میں لئے پھریں۔ ایسا تعزیہ نکالنا حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا حلال۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مذکورہ تعزیہ جس میں مذکورہ بالا خرافات نہ ہوں بنانا حلال ہے کیونکہ یہ محض غیر جاندار چیز کا نقشہ ہے جیسے مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ کے نقشے مگر مروجہ تعزیہ داری حرام ہے حسب ذیل وجوہ سے۔

۱۔ یہ تعزیہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ کا صحیح نقشہ نہیں۔ نہ تو تعزیہ بنانے والوں نے کربلا معلی جا کر وہاں کا روضہ دیکھا ہے اور نہ وہاں کا صحیح نقشہ دیکھ کر اس کی نقل کی ہے بلکہ ہر تعزیہ دار علیحدہ فیشن کا تعزیہ بناتا ہے۔ اب اس غلط اور جعلی نقشہ کو سید الشہداء کے روضہ کی تصویر سمجھ کر اس کی تعظیم کرنا حرام ہے۔ جس درخت کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان لی تھی۔ وہ اصل درخت تو گم ہو گیا تھا۔ لوگوں نے غلطی سے دوسرے درخت کی زیارت کرنا شروع کر دی۔ یہ سمجھ کر کہ یہ وہ ہی بیعت والا درخت ہے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ درخت کٹوا دیا تاکہ غلط فہمی دور ہو۔ وہ بھی غلط چیز کی ہی زیارت کرتے تھے۔ اور موجودہ جاہل مسلمان بھی غلط نقشہ کی زیارت و تعظیم کرتے ہیں یہ بھی اسی طرح واجب الہلاک ہے۔

۲۔ اس تاریخ میں مروجہ جلوس نکالنا یزیدیوں کی نقل ہے۔ کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے سر اور باقی قیدی اہل بیت کا جلوس نکالا۔ یہ مسلمان ان کی نقل کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے۔ من تشبہ بقوم فھو منھم۔ عاشورہ کے دن کی عبادت روزہ اور صدقہ و خیرات ہے۔ نہ کہ مروجہ ناچ کود۔

۳۔ تعزیہ بنا کر اسے دفن کر دینا یا دریا برد کرنا ہے جو حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کلوا واشربوا ولا تسرفوا ان اللہ لا یحب المسرفین ۰

۴۔ اس غلط نقشہ کا جلوس نکالنا اسے کندھوں پر اٹھائے پھرنا بازاروں میں گشت لگانا فعل لغو ہے۔ نہ اس میں دینی نفع ہے نہ دنیاوی فائدہ۔ یہ بھی حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ھم عن اللغو معرضون۔ حدیث شریف میں ہے۔ کل لھو حرام الا الثلثۃ۔

۵۔ یہ فعل موجودہ روافض کی نقل ہے۔ کفار و مرتدین کی نقل اتارنا بھی حرام ہے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یادگار یہ کھیل کود نہیں بلکہ ان کی یادگار پابندی نماز اس دن روزہ صدقہ خیرات ہے۔ اور آج کل پاکستان میں تیاری جہاد کرنا اور اب ووٹ کے موقع پر نااہلوں کو ووٹ نہ دینا ان کی سچی یادگار ہے کہ اس جناب نے سر دے دیا مگر یزید نااہل کو ووٹ نہ دیا۔ امام حسین علیہ السلام کی ذات عالی ایسی واہیات یادگاروں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

ہاں اگر صحیح نقشہ تیار کیا جاوے جس کی زیارت کی جاوے اسے دفن نہ کیا جاوے بلکہ محفوظ رکھا جاوے جائز ہے بلکہ سنت انبیاء ہے۔ طالوت بادشاہ کے پاس تابوت سکینہ رب تعالیٰ نے بھیجا جس میں گذشتہ انبیاء کرام

سے تبرکات اور ما ثورہ پیغمبروں کی تعداد اور ان کے مخالف کے نقشے جس کی تعظیم و توقیر کرائی گئی۔ اس کی برکت سے فتح حاصل کی گئی۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۸۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کی بیٹی زید کے نکاح میں تھی پہلے تو زن و شوہر کا اتفاق رہا۔ پھر ان میں نا اتفاقی ہو گئی۔ عمرو نے زید کو جانے سے جلا کر اندر چند کے چند آدمیوں کو مارنے کے لئے بلایا اور کہا کہ یا تو میری بیٹی کو طلاق لکھ دو۔ ورنہ جان سے ہاتھ دھوؤ۔ زید نے بے بسی کی حالت میں طلاق تحریر کر دی فرمایا جائے طلاق ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں اگر زید نے منہ سے طلاق کے الفاظ نہ بولے ہوں۔ صرف تحریر کر دی ہو۔ تو طلاق نہ ہوئی۔ وہ عورت بدستور زید کے نکاح میں ہے۔ عالمگیری کتاب الطلاق باب الکنایات فصل طلاق بالکتابت میں ہے۔ رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان فکتب امرأته فلانة بنت فلان طالق لا تطلق امرأته کذا فی فتاوی قاضی خان۔ اور چاہیے بھی یہ کہ طلاق نہ ہو۔ فان الطلاق بالخبر یصح خلافاً لقیاس الحدیث ثلثة جدهن جد وهزلهن جد النكاح والطلاق والعتاق او کما قال صلی الله علیه وسلم وکل نص مخالف للقیاس یقتصر علی مورده فهذا الحدیث یقتصر علی تطلیقه بالکلام ولا تتعدی الی الکتابة۔ اسی لئے اگر جبراً طلاق کا اقرار کرا لیا گیا۔ تو معتبر نہیں حالانکہ بحالت خوشی اقرار طلاق بھی طلاق ہے اسی عالمگیری من یقع طلاق میں ہے۔ واجمعوا علی انه لو اکره علی الاقرار بالطلاق لا ینفذ اقراره لیکن اگر زوج نے تحریر کے ساتھ طلاق منہ سے بولی ہے تو طلاق ہو گئی۔ کیونکہ جبری طلاق زبانی ہو جاتی ہے۔ عالمگیری باب من یقع طلاقہ میں ہے۔ یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا سواء کان حرا او عبدا طائعا او مکرها وطلاق اللاعب والهازل به واقع۔

فتویٰ نمبر ۹۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خدا کے سوا کسی مخلوق کی نذر ماننا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نذر کے دو معنی ہیں شرعی اور عرفی۔ نذر شرعی کے معنی ہیں غیر ضروری عبادت کو اپنے پر ضروری کر لینا اور نذر عرفی کے معنی ہیں نذرانہ، ہدیہ یا پیشکش۔ نذر شرعی خدا کے سوا کسی کی ماننا شرک ہے اور نذر عرفی جائز ہے۔ نذر شرعی کی یہ شرطیں ہیں۔ نذر عبادت کی ہو۔ وہ عبادت خود مقصود واجب نہ ہو۔ وہ عبادت خود واجب کے جنس کی ہو۔ لہذا کپڑے پہننے سر منڈانے کی نذر درست نہیں۔ کیونکہ یہ کام عبادت نہیں۔ روزہ رمضان اور نماز ظہر کی نذر درست نہیں کیونکہ یہ چیزیں ویسے ہی واجب ہیں۔ وضو و غسل کی نذر درست نہیں کیونکہ اس کی جنس خود واجب نہیں بلکہ نماز کے لئے واجب ہے۔ اس نذر کا حکم ہے کہ اس کا ادا کرنا فرض ہوگا۔ اور اگر صدقہ وغیرہ کی نذر ہو۔ تو اسے وہ ہی کھا سکے گا۔ جو زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولیوفوا نذورھم۔ قرآن کریم میں اسی نذر کا تذکرہ ہے۔ لیکن دوسری قسم کی نذر یعنی نذرانہ وہدیہ۔ یہ اولیاء اللہ کے لئے ہو سکتی ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب النذر میں ہے کہ ایک بی بی نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ انی نذرت ان اضرب علی راسك بالدف قال اوفی بنذرك میں نے نذر مانی ہے کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں۔ فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔ اسی مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض غزووں میں تشریف لے گئے۔ جب واپس تشریف لائے۔ تو جاءت جاریة سوداء فقالت یا رسول اللہ انی كنت نذرت ان ردك الله صالحا ان اضرب بين يديك بالدف واتغنی فقال لها رسول الله صلی الله علیه وسلم ان كنت نذرت فاضربی والا فلا۔ ایک لونڈی حبشیہ حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ حضور خیریت سے واپس تشریف لائیں تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں اور گاؤں۔ فرمایا اگر نذر مانی ہو تو بجا لو ورنہ نہیں۔ دیکھو ان دونوں حدیثوں میں لفظ نذر موجود ہے لیکن یہاں نذر شرعی نہیں یعنی نذر عرفی یعنی ہدیہ و نذرانہ ہے کیونکہ دف بجانا اور گانا عبادت نہیں بلکہ اس میں اپنی خوشی اور حضور کی سلامتی پر فرحت و سرور کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ پہلی حدیث کی شرح میں لمعات میں شیخ عبد الحق فرماتے ہیں۔
ان ضرب الدف وان لم يكن من القربات التي وجب على الناذر الوفاء بها بل من المباحات كالاكل الاطعمة اللذيذة لكنه صلى الله عليه وسلم امر بالوفاء نظراً الى مقصدها الصحيح الذی هو اظهار الفرح والسرور بقدومه صلی الله علیه وسلم غانما مظفرا على الاعداء۔ حضرت مولانا احمد جیون تفسیرات احمدیہ میں زیر آیت۔ وما اهل به لغير الله فرماتے ہیں فبهذا علم ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم فی زماننا حلال طيب ملخصاً۔ یعنی معلوم ہوا کہ جو گائے کی نذر اولیاء اللہ کے لئے مانی جاتی ہے وہ حلال وطیب ہے۔ یہاں بھی نذر سے مراد نذر عرفی ہے نہ کہ شرعی۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول صفحہ ۵۵ میں مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں اور جو اموات اولیاء کی نذر ہے تو اس کے

اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے۔ اور جو نذر بمعنی تقرب ان کے نام ہو ہے تو حرام ہے شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ نذر میں فرماتے ہیں "نذر کہ اینجا مستعمل میشود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان می برند نذر و نیاز میگویند" غرضکہ لفظ نذر کے دو معنے ہیں۔ شرعی اور عرفی۔ پہلے معنی سے نذر خدا کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی اور دوسرے معنی سے ہو سکتی ہے۔ جیسے لفظ طواف کے دو معنی ہیں شرعی اور عرفی۔ شرعی معنی عبادت مقصود ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فلیطوفوا بالبیت العتیق اور فرماتا ہے۔ ان طھرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔ ان آیات میں طواف کے شرعی معنی ہیں۔ یعنی بہ نیت عبادت کعبہ کے آس پاس گھومنا پھر قرآن شریف میں ہے ویطوف علیھم غلمان لھم کانھم لؤلؤ مکنون۔ فرمایا ویطاف علیھم بکاس من معین۔ فرماتا ہے۔ یطوفون بینھا وبین حمیم آن۔ سرکار فرماتے ہیں بلی کے بارے میں۔ من الطوافین علیکم والطوافات۔ ان آیات و احادیث میں طواف عرفی یعنی آنا جانا گھومنا پھرنا مراد ہے۔ ایسے ہی شرعی قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے جس پر کفارہ کے احکام مرتب ہوں۔ لیکن قسم عرفی جس سے کلام کی مضبوطی ہو وہ غیر خدا کی بھی ہو سکتی ہے جیسے وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ۔ اس نذر عرفی کا حکم یہ ہے کہ نہ وہ واجب ہوتی ہے اور نہ اس کے خیرات میں کوئی پابندی ہے امیر و غریب کھا سکتا ہے۔ ہاں پہلی نذر شرعی میں اگر کوئی خاص جماعت مقرر کر دی جاتے تو جائز ہے۔ مثلاً کہ دے کہ خدایا اگر میرا کام ہو گیا تو میں تیرے نام پر نذر دوں گا اور وہ صدقہ فلاں بزرگ کے مجاوروں کو کھلا دوں گا تو جائز ہے۔ شامی نے کتاب الصوم بحث نذر اموات میں فرمایا۔ ان تکون صیغۃ النذر للہ تعالیٰ للتقرب الیہ ویکون ذکر الشیخ مرادا بہ فقراءہ

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ اپنی نذر میں کسی جگہ یا کسی وقت کی پابندی لگا دیتے ہیں کہ فلاں جگہ صدقہ کروں گا۔ یا فلاں دن پکاؤں گا۔ یہ تعیین جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب

کسی عبادت وغیرہ کے لئے وقت یا جگہ مقرر کرنے کی تین وجہیں ہیں۔ دو جائز و مستحب ہیں اور ایک ناجائز۔

۱ محض اہتمام کے لئے دن یا جگہ مقرر کرنا تاکہ لوگوں کے اجتماع میں آسانی ہو جاوے۔ اور یہ کام اچھی طرح انجام کو پہنچے۔ کیونکہ جب تک جگہ اور وقت مقرر نہ ہو۔ لوگ جمع نہیں ہو سکتے اور انتظام اچھی طرح نہیں ہو سکتا۔ یہ جائز ہے جیسے شادی عقیقہ ولیمہ کی تاریخیں مقرر کرنا یا جماعت نماز کے لئے گھنٹے منٹ اور مدرسہ کے لئے تعطیل وغیرہ مقرر کرنا۔

۲ اس دن یا اس جگہ کو کسی بزرگ سے نسبت ہو۔ اس کو متبرک سمجھ کر مقرر کرنا یہ بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔ اس کی اصل

ہے کہ رمضان اور شب قدر بعض عبادات کے لئے اس لئے مقرر ہے کہ اس میں نزول قرآن کی ابتداء ہوئی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ اور فرماتا ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ جمعہ کا دن عبادت کے لئے اس لئے مقرر ہوا کہ اس دن بہت سے پیغمبروں کو خاص نعمتوں سے نوازا گیا۔ حج کے لئے جگہ مقرر، قربانی کی تاریخ مقرر۔ ان ہی حکمتوں سے ہوئیں۔ مشکوٰۃ شریف باب صوم النفل میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دوشنبہ کے روزے کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ فیہ ولدت وفیہ انزل علی۔ اس دن ہم پیدا ہوئے اور اس دن قرآن شریف نازل ہوا۔ نیز اسی باب میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے یہودیوں سے دریافت فرمایا کہ تم عاشورہ کا روزہ کیوں رکھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس تاریخ کو رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دی تھی کہ اسے غرق کیا تھا۔ اس خوشی میں ہم روزہ رکھتے ہیں۔ فرمایا نحن احق بموسیٰ منکم۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ فصام وامر بصیامہ۔ خود بھی اس کا روزہ رکھا اور امت کو بھی حکم دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا۔ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ۔ خدایا ہم پر آسمان سے دسترخوان اتار کہ دسترخوان کے اترنے کا دن ہمارے اگلوں پچھلوں کے لئے عید کا دن ہو جاوے۔ معلوم ہوا کہ دنوں اور وقتوں کو کسی صالح سے یا کسی اعلیٰ چیز سے نسبت ہو گئی۔ تو تاقیامت یہ تاریخیں کسی خاص عبادت کے لئے مخصوص ہو گئیں۔ لہٰذا اگر کسی تاریخ میں کسی بزرگ کا وصال ہوا ہو اس تاریخ پر اس کی فاتحہ کرنا یہ سمجھ کر کہ یہ تاریخ ان کے وصال پاک کی تاریخ ہے۔ تو جائز اور مستحب ہے۔ شامی جلد اول باب زیارۃ القبور میں ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی قبور الشہداء باحد علی راس کل حول۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے یعنی ان کی شہادت کی تاریخ پر۔ غرضکہ تقرر اور تعین اگر اس لئے ہو تو بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔

(۳) کسی دن یا جگہ کو اس لئے مقرر کرنا کہ اسے بتوں یا کفار سے نسبت ہو۔ یہ حرام ہے کہ اس میں بت کی تعظیم ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ مولیٰ اگر میرا یہ کام ہو گیا۔ تو میں دیوالی کے دن خیرات کروں گا۔ یا فلاں مندر پر جا کر صدقہ کروں گا۔ یہ سمجھتا ہو کہ یہ دن یا یہ جگہ بت کا متبرک ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب النذور میں ہے کہ ایک شخص نے منت مانی کہ میں بوانہ میں اونٹ قربانی کروں گا اور مسئلہ حضور سے دریافت کیا تو سوال فرمایا۔ هل كان فيها وثن من اوثان الجاهلية يعبد قالوا لا قال فهل كان فيها عيد من اعيادهم قالوا لا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اوف بنذرك۔ کیا بوانہ میں کوئی بت تھا جس کی پوجا ہوتی ہو۔ عرض کیا نہیں فرمایا وہاں کفار کا کوئی میلہ لگتا تھا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو اپنی نذر پوری کر یعنی وہاں جا کر اونٹ ذبح کر۔ پتہ چلا کہ اگر جگہ یا تاریخ کے تقرر کی وجہ بت کی عظمت ہو تو حرام ہے۔

فتویٰ نمبر ۹۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ کسی غیر معین عبادت کو معین کرنا حرام ہے کیونکہ اس میں شریعت پر زیادتی ہے۔ مثلاً ایصال ثواب جب چاہو کرو تو جائز ہے۔ لیکن اس کے لئے دن یا تاریخ مقرر کرنا کہ گیارہویں یا بارہویں تاریخ کو ہی کریں گے۔ یہ حرام ہے۔ دلیل یہ دیتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روزے سے منع فرمایا۔ دیکھو مشکوٰۃ باب صوم النفل۔ فقہاء بھی فرماتے ہیں کہ جمعہ کا روزہ مکروہ ہے۔ دیکھو جمعہ افضل ہے مگر دیگر ایام سے اس کو خاص کرکے روزہ رکھنا مکروہ قرار دیا گیا۔ اس تعیین کے لئے سنی جو احادیث یا قرآنی آیات پیش کرتے ہیں اس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ شارع علیہ السلام کی طرف سے تعیین ہے۔ تم کیسے تعیین کر سکتے ہو۔ اس کا جواب کیا ہے۔

الجواب

زید بالکل جاہل اور شرعی احکام سے بے خبر ہے۔ کسی چیز کو بغیر قطعی ممانعت کے حرام نہیں کہہ سکتے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عبادت غیر معین تو جائز ہو اور معین کرتے ہی اس میں حرمت آجائے۔ کیا تعیین بھی کوئی زہر ہے۔ جس کے شامل ہوجانے سے اچھی چیز حرام ہوجاوے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ تمام یادگاریں منانا حرام ہوجائیں۔ حالانکہ تمام امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزرگوں کی یادگاریں تاریخ مقررہ پر کرتی رہی اور کرتی ہے۔ پاکستان بننے کی تاریخ ۱۴ اگست کو خوشی منائی جاتی ہے۔ ۲۵ دسمبر کو جناح صاحب کا جنم دن منایا جاتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ما راٰہ المومنون حسناً فھو عند اللہ حسن۔ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ زید نے صرف دو وہم پیش کئے ہیں۔ ایک یہ کہ تعیین میں شریعت پر زیادتی ہے دوسرے جمعہ کا روزہ منع ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ شریعت میں زیادتی جب کہی جاسکتی تھی۔ جب کسی کا خیال یہ ہوتا کہ اس تاریخ میں یہ عبادت کرنا فرض ہے اور دوسری تاریخوں میں حرام ہے۔ چونکہ فرائض و واجبات نصاً و شرعاً مقرر ہو چکے ہیں۔ اس میں زیادتی کی نہیں ہوسکتی اور اگر کوئی یہی سمجھے تب بھی اس کا یہ خیال غلط ہوگا۔ تاہم پھر بھی حلال رہے گی۔ اگر کوئی شخص کھانے کا گوشت فرض سمجھ کر کھائے تو وہ گوشت حرام نہ ہوجائے گا۔ ہاں اس کا یہ عقیدہ غلط ہوگا۔ اگر کوئی شخص جمعہ کی اذان کے بعد فروخت کرے تو اگرچہ اس کا یہ کام حرام ہے مگر چیز حلال رہے گی۔ اسی طرح یہ بھی ہے بلکہ زید کا تعیین کو حرام کہنا یہ شریعت میں زیادتی ہے۔ زید کا دوسرا قول کہ حضور علیہ السلام نے جمعہ کے روزے کی ممانعت فرمائی۔ اس کی وجہ تعیین نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اس کی چار وجہ بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ یہ دن نماز جمعہ و غسل و زیارت قبور کا ہے۔ روزے کی وجہ سے ان کاموں میں دشواری ہوگی۔ اس لئے نہ رکھے جیسے حاجی کے لئے عرفہ کا روزہ مکروہ ہے کیونکہ یہ دن اس کے کام کا دن ہے دوسروں کے لئے مستحب ہے کیونکہ انہیں کوئی کام

نہیں نیز حاجی پر نماز عید نہیں کیونکہ وہ دیگر کاموں میں مشغول ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کو یہود و نصاریٰ سے مشابہت کہ وہ اپنے ہفتہ و اتوار کو روزہ رکھتے ہیں۔ اور دن نہیں رکھتے۔ تیسرے وجوب کے اعتقاد سے یہ روزہ رکھنا مکروہ ہے کہ کوئی اس دن کا واجب سمجھ کر رکھے۔ چوتھے اس لئے کہ جمعہ کا دن ہفتہ کی عید ہے تو عید کے دن کھاؤ پیو روزہ کیوں رکھتے ہو۔ چنانچہ دار قطنی کی روایت میں ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کا دن عید کا دن ہے اسے روزے کا دن نہ بناؤ۔ اگر جمعہ کا روزہ تعیین اور تخصیص کی وجہ سے مکروہ ہو تو دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ سرکار فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم لا تختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومه احدکم (مسلم) تم جمعہ کو روزے سے خاص نہ کرو۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی تاریخ میں روزہ رکھتا ہو اور اس تاریخ کو جمعہ آ جاوے تو رکھ لے۔ کیونکہ تعیین کی تو اجازت دے دی گئی کہ کوئی گیارہویں یا بارہویں کے روزے کا عادی ہو اور مقرر کردہ تاریخوں میں جمعہ آ جاوے تو روزہ رکھ سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ لا یصوم احدکم یوم الجمعة الا یصوم قبله او یصوم بعده۔ متفق علیه۔ کوئی شخص صرف جمعہ کا روزہ نہ رکھے بلکہ اس کے ساتھ آگے پیچھے ایک دن کا روزہ اور بھی رکھ لے۔ غرضکہ یا تو اس تعیین سے عقیدے کا تعین مراد ہے۔ یا تشبیہ یہود سے بچنا۔ دو شنبہ کے روزے کی اجازت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا وجہ نہ دی۔ بلکہ وجہ بیان فرما دی کہ چونکہ اس دن ہماری ولادت اور ابتداء وحی ہے۔ لہٰذا روزہ رکھو۔ اور جن احکام شرعیہ کی وجہ خود شارع علیہ السلام بیان فرما دیں تو وہ احکام ہر اس جگہ پائے جائیں گے جہاں وہ وجہ پائی جائے۔ جیسے حیض میں صحبت حرام ہے کیونکہ پلیدی کی وجہ سے۔ لہٰذا نفاس میں بھی حرام ہے۔ لہٰذا دو شنبہ کا روزہ اس لئے مستحب ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہے۔ تو بارہویں ربیع الاول اور گیارہویں ربیع الثانی کا روزہ بھی اس لئے مستحب ہے کہ یہ دن اللہ کے مقبولوں کی طرف منسوب ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خان نعیمی غفرلہ

فتویٰ نمبر ۹۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مصیبت کے موقع پر نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر پڑھے تو اس سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صحیح یہ ہے کہ قنوت نازلہ مصیبت کے وقت صرف نماز فجر میں بعد رکوع جائز ہے۔ مگر خلاف اولیٰ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ نماز کے بعد پڑھی جاوے تاکہ خلاف اولیٰ سے بچ جاوے۔ فجر کے سوا قنوت کسی اور نماز میں جائز نہیں۔ اگر کوئی پڑھے گا تو فاسد

ہوگی۔ اور اعادہ ضروری ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چند روز پڑھی پھر ترک فرما دی۔ بعض صحابہ کرام کے نزدیک یہ ترک اس لئے تھا کہ اب ضرورت نہ رہی تھی۔ اور بعض صحابہ کرام کے نزدیک یہ قنوت اس آیت سے منسوخ ہے۔ لیس لک من الامر شیء۔ انہی صحابہ کرام کے اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں سخت اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ کے زمانہ میں قنوت پڑھتے تھے۔ طحاوی شریف صفحہ ۱۴۴ میں ہے۔ کان عمر اذا حارب قنت واذا لم یحارب لم یقنت۔ اسی مقام میں طحاوی شریف میں ہے انما قنتم عند والدعاء فی حال عدم القتال۔ اور صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے ہیں۔ چنانچہ ابو مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بدعت فرمایا اور فرمایا کہ خلفائے راشدین نہ پڑھتے تھے۔ دیکھو نسائی شریف جلد اول صفحہ ۱۶۴۔ اسی وجہ سے فقہاء میں بڑا اختلاف رہا۔ احناف کے نزدیک جائز ہے۔ مگر بہتر نہیں چنانچہ طحاوی شریف میں صفحہ ۱۴۹ میں ہے۔ فثبت بما ذکرنا انہ لا ینبغی القنوت فی الفجر فی حال حرب ولا غیرہ قیاسا ونظرا علی ما ذکرنا من ذلک وھذا قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف ومحمد۔ مولانا بحر العلوم رسائل ارکان صفحہ ۱۲۹ میں فرماتے ہیں۔ وعندنا لیس مشروعا فی الصلوٰۃ المکتوبۃ وھو الاشبہ بالصواب۔ تفسیرات احمدیہ طبع کلکتہ صفحہ ۱۲۵ میں ہے۔ دعاء القنوت عندنا انما یجب فی صلوٰۃ الوتر خاصۃ ولا یجوز فی صلوٰۃ الفجر اصلا۔ فتاویٰ عالمگیری کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۲۵ میں ہے۔ ولا یقنت فی غیر الوتر کذا فی المتون۔ شرح سفر السعادۃ صفحہ ۱۱ لمعات میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ نزد امام ابو حنیفہ قنوت در نماز فجر اصلا نیست وقنوت آنحضرت مخصوص بود بوے صلی اللہ علیہ وسلم و در وقت مخصوص بود بعد ازاں ترک کرد۔ یعنی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نماز فجر میں قنوت ہرگز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قنوت پڑھنا یہ آپ کی خصوصیات میں سے تھا کہ خاص ضرورت پر پڑھی اور پھر چھوڑ دیا۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی جاوے نہ مصیبت میں اور نہ ویسے ہی۔ کیونکہ یہ منسوخ ہے۔ اور بعض حنفی فقہاء فرماتے ہیں کہ مصیبت کے موقعہ پر فجر میں اب بھی قنوت پڑھ سکتے ہیں۔ چنانچہ رد المحتار جلد اول مطلب قنوت نازلہ میں فرماتے ہیں ان قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلوٰۃ الفجر دون غیرھا من الصلوٰۃ الجھریۃ والسریۃ یعنی ہمارے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر سے خاص ہے۔ اس کے علاوہ کسی نماز میں جائز نہیں۔ نہ جہری میں نہ سری میں طحاوی علی الدر المختار جلد اول صفحہ ۲۰۳ میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت قبلیۃ فی صلوٰۃ الفجر۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ فھذا صریح فی تخصیص القنوت للنوازل بالفجر۔ یعنی مصیبت کے موقعہ پر صرف فجر میں قنوت پڑھی جائے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز میں قنوت نازلہ مصیبت کے موقعہ پر پڑھنا جائز ہے۔ بہرحال فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ نماز فجر کے بعد پڑھے۔ اور اگر فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھے تو جائز ہے۔ مگر بہتر نہیں۔ لیکن اور نمازوں میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہوگی کیونکہ رکوع کے بعد فوراً سجدہ واجب ہے۔ اگر بقدر ادائے رکن یعنی

بقدر ایک تسبیح دیر کی گئی۔ تو واجب کا ترک لازم آیا۔ اور واجب کا ترک اگر بھول سے ہو تو سجدہ سہو واجب ہے اگر عمداً ہو تو نماز کا لوٹانا ضروری ہے طحطاوی علی الدر مختار صفحہ ۲۱۸ میں ہے۔ لو اطال قیام الرکوع او الرفع بین السجدتین اکثر من تسبیحۃ ساھیا یلزمہ سجود السھو۔ یعنی اگر رکوع کے بعد کا قیام یا سجدوں کے درمیان بیٹھنا ایک تسبیح کی قدر زیادہ کر دیا بھول کر تو سجدہ سہو واجب ہے رد المحتار جلد اول صفحہ ۵۱۱ میں ہے۔ والعمد لا یجبرہ سجود السھو بل تلزم فیہ الاعادۃ۔ یعنی عمداً واجب کے چھوڑنے میں سجدہ سہو کافی نہیں بلکہ نماز کا لوٹانا واجب ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ بحر الرائق نے شرح نقایہ کی عبارت بحوالہ غایہ نقل فرمائی قنت الامام فی صلوٰۃ الجھر وھو قول الثوری واحمد یعنی امام جہری نماز میں قنوت پڑھے یہ امام ثوری اور احمد کا قول ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ یہاں کاتب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی بحر الرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق میں بحر کے اس قول کے ماتحت فرماتے ہیں۔ ولعلہ محرف عن الفجر وقد وجدتہ بھذا اللفظ فی حواشی مسکین وکذا فی الاشباہ۔ نیز طحطاوی علی الدر مختار میں جلد اول صفحہ ۲۸۲ میں ہے۔ والذی یظھر لی ان قولہ فی البحر وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الجھر تحریف من النساخ وصوابہ الفجر۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں صفحہ ۲۲۲ میں ہے۔ الذی فی البحر عن الشمنی فی شرح النقایۃ معزیا للغایۃ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت فی صلوٰۃ الفجر وھو قول الثوری واحمد۔ الاشباہ والنظائر صفحہ ۲۸۵ میں ہے صرح فی الغایۃ وعزاہ الشمنی الیھا بانہ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الفجر وھو قول الثوری واحمد۔ ان دلائل واضحہ سے ثابت ہو گیا کہ صرف نماز فجر میں مصیبت کے وقت قنوت جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے اور کسی نماز میں جائز نہیں۔ اگر اس کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کے فتاویٰ قنوت نازلہ میں مطالعہ کریں۔ یہ فتویٰ وہاں سے ماخوذ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں ایسے ہی ریڈیو پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ریڈیو پر نماز پڑھانا دور کے لوگوں کو ناجائز ہے۔ کیونکہ امام اور مقتدی کی جگہ ایک ہونا ضروری ہے۔

اور مقتدی زیادہ ہوں اور صفیں بہت ہوں تو ضروری ہوتا ہے کہ امام سے لے کر آخر صف تک صفیں متصل ہوں بیچ میں فصل کم ہو۔ اور جب امام کراچی میں ہے اور مقتدی لاہور میں اور وہاں سے اس کی اقتداء کر رہا ہے تو مکان ایک نہ رہا۔ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے میں چند قباحتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں قرأت قدر ضرورت سے زیادہ اونچی آواز سے ہوتی ہے اور یہ مکروہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۔ نماز میں زیادہ چیخ کر تلاوت کرو نہ بہت ہلکا آہستہ کہ مقتدی نہ سن سکیں بلکہ درمیانی آواز رکھو اور لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے میں تلاوت کی آواز بہت دور تک جاتی ہے۔ جو کہ مقتدیوں کی حاجت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا مکروہ ہے اسی لئے جب مقتدی تھوڑے ہوں تو امام کو زیادہ چیخ کر نماز پڑھانا یا بلا ضرورت مکبر مقرر کرنا یا اگر زیادہ صفیں ہوں تو جہاں تک امام کی تکبیروں کی آواز پہنچ رہی ہو وہاں مکبر کھڑا کر دینا یا جہاں پہلے مکبر کی آواز پہنچ رہی ہو وہاں دوسرا مکبر کھڑا کر دینا یہ سب مکروہ ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ لاؤڈ سپیکر میں یہ بھی شبہ ہے کہ جو آواز یونٹ سے نکلتی ہے وہ امام کی اپنی آواز نہیں بلکہ صدائے بازگشت ہے۔ جیسے گنبد یا جنگل کی آواز اگر یہ ہے تو اس پر نمازی حرکتیں کرنا زیادہ برا ہے۔

۳۔ یہ کہ اس میں سنت کا ترک ہے۔ یعنی سنت یہ ہے کہ نماز میں مکبر کھڑے کئے جاویں اور لاؤڈ سپیکر میں اس کو بند کر کے آلہ استعمال کرتا ہے۔ اور جو شے رافع سنت ہو۔ وہ بدعت سیئہ ہے۔ بہرحال لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانا بہتر نہیں۔ باقی لاؤڈ سپیکر پر اذان، خطبہ، وعظ وغیرہ سب بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ نماز میں وہ پابندیاں ہیں جو اور جگہ نہیں

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۵

علمائے دین حسب ذیل مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی کونسی قوی دلیل ہے، بخاری شریف میں ہے۔ لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب۔ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی حنفیہ کے پاس اس حدیث کے سوا اور کوئی حدیث نہیں کہ من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ۔ یعنی جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ تو چاہیے کہ پہلی حدیث کو ترجیح ہو کیونکہ دوسری حدیث صرف امام اعظم سے مروی ہے۔ اور امام اعظم کو حدیث نہیں آتی تھی۔ اس لئے ان سے روایات بہت کم ہیں۔ نیز اس پر دارقطنی نے جرح کی ہے۔

الجواب

امام کے پیچھے مقتدی کو قرأۃ کرنا حنفیوں کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ جس پر قرآن کریم احادیث صحیحہ صحابہ کرام

کے اقوال و اعمال گواہ ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ اس آیت میں تلاوت قرآن کریم کے وقت دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اس وقت خاموش رہنا اور کان لگا کر سننا۔ اور یہ حکم مطلق تلاوت کا ہے۔ لہٰذا تلاوت امام بھی بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس تلاوت سے مراد صرف جمعہ کا خطبہ ہے۔ وہ درست نہیں کہتے، چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ آیت مکیہ ہے اور خطبہ کی فرضیت مدنی ہے لہٰذا اس آیت کے نزول کے وقت خطبہ تھا ہی نہیں دیکھو تفسیر خازن۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ مان لیا جاوے تب بھی یہ حکم خطبہ پر محدود نہ ہوگا۔ بلکہ خطبہ نماز سب کو شامل رہے گا کیونکہ عام میں بلا وجہ تخصیص نہ ہو جاوے گی خطبہ اسی لئے اس آیت میں داخل ہے کہ اس میں تلاوت قرآن ہوتی ہے۔ تو نماز بھی اسی وجہ سے اس آیت میں داخل رہے گی۔ تیسرے یہ کہ خطبہ میں تلاوت قرآن سنت ہے۔ فرض نہیں اور نماز میں تلاوتِ قرآن فرض ہے۔ لہٰذا بمقابلہ خطبہ کے نماز کا اس آیت میں داخل ہونا قوی تر ہے۔ چوتھے اس لئے کہ آیات میں نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ سے ثابت ہے۔ تو آیت اگرچہ خطبہ کے لئے آئی ہو۔ مگر چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں۔ لہٰذا نماز کو بھی شامل ہوگی۔ اس آیت کا عموم دیکھ کر علماء نے حکم دیا کہ خارج نماز بھی تلاوت قرآن کے وقت خاموش اور سننا فرض کفایہ ہے کیونکہ آیت عام ہے طلباء کی تعلیم کا حکم اس سے خارج ہے کیونکہ وہاں تلاوت نہیں ہوتی تعلیم ہوتا ہے۔ اسی لئے تلاوت کے وقت اَعُوْذُ پڑھنا ضروری ہے۔ تعلیم کے وقت منع (شامی) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نماز میں کلام کرنے سے روکا گیا ہے۔ نہ کہ سورہ فاتحہ سے۔ مگر یہ بھی غلط ہے کیونکہ نماز میں کلام کرنا اس آیت سے منسوخ ہوا ہے۔ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔ جیسا کہ مسلم باب نسخ الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری باب العمل فی الصلوٰۃ میں ہے اسی پر سارے مفسرین کا اتفاق ہے۔ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آیت کی یہی تفسیر ثابت ہے۔ اور قرآن کی تفسیر جو حدیث کرے۔ وہ دیگر تفاسیر سے قوی ہے اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ اس آیت سے نماز میں کلام کرنا منسوخ ہے تو وہ بھی اسی لئے منع ہے کہ اس سے قرآن سننے میں خلل ہوگی۔ لہٰذا اسی وجہ سے نماز میں قرأت بھی منع ہوگی (تفسیرات احمدیہ) کیونکہ سورہ فاتحہ پڑھنے سے قرآن سننے میں فرق پڑے گا۔

احادیث: مسلم شریف باب التشہد میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرء فانصتوا۔ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔ کیونکہ اس نے بروایت صحیح بشرط شیخین حضرت جابر ابن عبداللہ و عبداللہ ابن مسعود وغیرہم سے مختلف اسنادوں سے نقل فرمایا کہ قرأۃ الامام لہ قرأۃ۔ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے اگر اسی قسم کی اور بہت سی احادیث مختلف اسناد سے دیکھنا ہوں تو موطا امام محمد اور طحاوی دیکھو اکثر صحابہ کرام کا بھی یہی قول ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ اسے امام کی قرأت کافی ہے۔ خود بھی عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے۔ قاسم ابن محمد ایسے حضرات میں سے ہیں جو امام کے پیچھے قرأت

نہ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ نماز میں خاموشی اختیار کرو۔ کیونکہ نماز میں مشغولیت ہے اور امام کی قرأت سنا، امام کی قرأت کافی ہے۔ یہ ہی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے۔ حضرت علقمہ ابن قیس فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے قرأت کرے میں چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں آگ بھر دوں۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کاش امام کے پیچھے قرآن پڑھنے والے کے منہ میں انگارا ہوتا۔ حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ تمام روایتیں اور اس کے علاوہ بہت سی روایات مع اسناد مؤطا امام محمد اور طحاوی شریف میں ملاحظہ کرو۔ عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے وہ خلاف کرتا ہے۔ دیکھو فتح القدیر۔ غرضکہ صحابہ کرام کے اقوال بے شمار ہیں۔ اسی لئے شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب القرأت میں قرأتی و کافی سے نقل فرمایا کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کی ممانعت اسّی صحابہ کرام سے منقول ہے۔ جن میں علی المرتضیٰ اور عبداللہ ابن مسعود۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں اور محدثین نے ان اسّی کے نام بھی جمع فرمائے۔ عقل کا بھی تقاضا یہ ہے کہ مقتدی پر قرأت واجب نہ ہو چند وجوہ سے ایک یہ کہ نماز میں جیسے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ ویسے ہی سورۃ ملانا بھی ضروری ہے اور سورۃ ملانا تو مقتدی پر لازم نہیں بلکہ اس میں امام کی قرأت کافی ہے۔ ایسے ہی سورۃ فاتحہ میں امام کی قرأت کافی ہونا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص رکوع میں امام کے ساتھ ملے اسے رکعت مل جاتی ہے۔ اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہوتی۔ تو رکوع ملنے سے رکعت نہ ملتی۔ جیسے کہ تکبیر تحریمہ یا قیام یا رکوع نہ ملنے سے رکعت نہ ملتی۔ اگر کوئی مقتدی رکوع میں شرکت کرتے وقت تکبیر تحریمہ نہ کہے۔ یا سیدھا رکوع میں چلا جائے اور بغیر تکبیر تحریمہ قیام نہ کرے تو رکعت نہیں پاتا۔ معلوم ہوا کہ اس مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہوگی۔ تو چاہیئے کہ دوسرے مقتدیوں کے لئے بھی امام کی قرأت کافی ہو۔ تیسرے یہ کہ بادشاہ کے دربار میں شاہی آداب سب بجا لاتے ہیں۔ اس کو سلام مجرا سب ہی عرض کرتے ہیں۔ مگر اس سے کلام صرف وفد کا امیر کرتا ہے ہر شخص کا بولنا بے ادبی میں شمار ہے۔ اسی طرح جماعت کی حالت میں مسلمانوں کا وفد رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو نماز کے افعال جو آداب شاہی ہیں سب بجا لاویں۔ سبحان، رکوع و سجود کی تسبیحیں، التحیات وغیرہ سب پڑھیں۔ کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرا ہے۔ رہی مخالفوں کی پیش کردہ حدیث یعنی لاصلوٰۃ الخ جو بخاری نے روایت کی۔ ان جیسی تمام احادیث میں چند طرح گفتگو ہے ایک یہ کہ یہ حدیث دو طرح قرآن کے خلاف ہے ایک اس طرح کہ قرآن شریف امام کی قرأت کے وقت خاموش رہنے اور کان لگا کر سننے کا حکم دے رہا ہے۔ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا اور یہ حدیث اس وقت قرأۃ کرنے کا حکم دے رہی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا نماز میں فرض ہے جس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ مگر قرآن شریف فرماتا ہے کہ قرآن کا جو حصہ بھی آسانی سے پڑھ لیا جائے۔ نماز ادا ہو جائے گی۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ جس قدر قرآن آسان ہو وہ نماز میں پڑھو۔ لہٰذا اب اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہئیں کہ جس سے قرآن و حدیث میں اتفاق ہو جائے

اور مخالفت نہ رہے۔ اور وہ اس طرح کہ لا صلوٰۃ کے معنی یہ کئے جاویں کہ نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے نہیں ہوتی یعنی کامل نہیں ہوتی۔ یعنی مطلق قرأۃ قرآن تو فرض ہوا اور سورۃ فاتحہ واجب ہے۔ جیسے دوسری روایت میں ہے کہ لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد۔ جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز گھر میں نہیں ہوتی۔ یعنی کامل نہیں ہوتی۔ اب فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ والی آیت اور اس حدیث میں مخالفت نہ رہی دوسرے لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب میں قرأت حکمی اور حقیقی عام قرأۃ مراد ہو یعنی اگر امام قرأت کرے اور مقتدی کی بھی قرأت حکمی ہوگئی۔ اب اس حدیث پر عمل بھی ہوگیا اور وہ تعارض بھی رفع ہوگیا۔ لہٰذا قرآن پر بھی عمل ہوگیا۔ دوسرے یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے۔ فاذا قرء فانصتوا لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں اسی طرح اجتماع کرلینا ضروری ہے۔ تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث مقتدی کے حق میں ظاہر ہے نص نہیں اور ہماری پیش کردہ حدیث فاذا قرء فانصتوا مقتدی کے حق میں نص ہے۔ یعنی مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنا بطور ظاہر ضروری ہے اور بطریق نص منع ہے اور جب ظاہر و نص کا تعارض ہو تو نص کو ترجیح ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حدیث مقتدی کے لئے وارد ہوئی ہے۔

چوتھے اس طرح کہ لا صلوٰۃ کی حدیث عام مخصوص البعض ہے۔ جس سے مقتدی نکالا گیا ہے اور منفرد باقی رکھا گیا ہے اور اس کی مخصص ہماری پیش کردہ احادیث ہیں۔ پانچویں یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں لمن لم یقرء کے من سے مراد منفرد ہے اور حدیث اس کے بارے میں ہے جو اکیلے نماز پڑھے۔ اس لئے تفسیرات احمدیہ اور احکام القرآن میں بحوالہ موطا امام مالک کے اس حدیث کو اس طرح نقل فرمایا۔ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب والسورۃ یعنی بغیر سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ کے نماز نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ مقتدی پر دوسری سورۃ پڑھنا واجب نہیں اسی طرح سورۃ فاتحہ پڑھنا بھی واجب نہیں ہے تو جیسے یہ حدیث منفرد کے حق میں ہے۔ ایسے تمہاری پیش کردہ حدیث بھی منفرد ہی کے لئے ہونی چاہیے بہرحال اس حدیث سے تمہارا استدلال غلط ہے کیونکہ اس میں اس قدر احتمالات موجود ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث قراۃ الامام لہ قراۃ ضعیف ہے اور ضعیف حدیث سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ہماری پیش کردہ یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے۔ دیکھو طحاوی شریف اور ایک اسناد کے ضعیف ہونے سے متن حدیث ضعیف نہیں ہو جاتا (نخبۃ الفکر) اس کی تمام اسنادیں ضعیف نہیں دوسرے یہ کہ اگر حدیث چند اسنادوں سے مروی ہو اور وہ ساری اسنادیں ضعیف ہوں تو زیادتی اسناد کی وجہ سے متن حدیث ضعیف نہیں رہتا۔ بلکہ حسن بن جاتا ہے اور حسن سے دلیل پکڑنا جائز ہے (شامی) تیسرے یہ کہ کسی اسناد میں مجہول جرح حنفیہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ اگر کوئی محدث فرمادیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو اس سے حدیث ضعیف نہیں ہو جاتی۔ جب تک کہ محدث یہ نہ فرمادیں کہ اس اسناد کا فلاں راوی ضعیف ہے اور راوی کے ضعف کی یہ وجہ ہے۔ چوتھے یہ کہ ہوسکتا ہے کہ وہ حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہم کو ضعیف ہوکر ملی ہو۔ امام ابو حنیفہ تک صحیح پہنچی تھی۔ چونکہ امام صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب تھا۔ اس لئے اس وقت احادیث کم ضعیف ہوتی تھیں۔ بعد میں اسناد میں ضعیف راوی شامل ہو گئے۔ اسناد میں ضعیف ہو گئیں۔ لہٰذا بعد کا ضعف امام صاحب کو مضر نہیں۔ پانچویں یہ کہ اگر ضعیف حدیث کو کوئی مجتہد محدث یا فقیہ قبول فرمائے تو وہ حدیث حسن بن جاتی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کسی حدیث کو قبول فرمانا اس کے حسن ہونے کی دلیل ہے۔ دیکھو اصول حدیث۔ چھٹے یہ کہ اگر یہ حدیث قرأۃ الامام له قراۃ ضعیف بھی ہو تب بھی مفید نہیں کیونکہ حدیث واذا قرأ فانصتوا مسلم کی روایت ہے اور بالکل صحیح ہے۔ نیز قرآن شریف سے اس کی تائید ہے۔ بہر حال امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے اور خاموش رہنا واجب۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں نعیمی

فتویٰ نمبر ۹۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جہری میں سورہ فاتحہ ختم ہونے پر امام اور مقتدیوں کو آمین آہستہ کہنا چاہئے یا بلند آواز سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ بلند آواز سے کہنا چاہئے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کہتے تھے۔ روایات میں ہے۔ مد بہا صوته۔ نیز صحابہ کرام اتنی بلند آواز سے آمین کہتے تھے کہ مسجد میں شور مچ جاتا تھا کیا یہ روایات درست ہیں۔ اگر درست ہیں تو ان کا جواب کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز میں آمین امام و مقتدی دونوں کو آہستہ کہنا چاہئے زور سے آمین کہنا خلاف سنت بلکہ مکروہ ہے۔ دلائل یہ ہیں۔

(۱) آمین قرآن شریف کا لفظ نہیں ہے بلکہ دعا ہے۔ جس کے معنی ہیں یا اللہ قبول فرما اس پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ آمین دعا ہے۔ اسی لئے اسے قرآن شریف میں لکھا نہ گیا۔ نیز ایک موقعہ پر موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ فرعون ہلاک ہو جاوے اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔ رب تعالیٰ نے ان دونوں کی دعا قبول فرمایا۔ ارشاد ہوا قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا۔ تم دونوں کی دعائیں قبول کر لیں۔ حضرت ہارون کی دعا کیا تھی۔ یہی آمین۔ معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے اور دعا آہستہ مانگنا چاہئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ اپنے رب سے آہستگی اور زاری سے دعا مانگو۔ نیز فرماتا ہے۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔ لوگ آپ سے میرے بارے میں جب پوچھیں۔ تو ان سے فرما دو کہ میں قریب ہوں۔ دعا مانگنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہوں۔ جب وہ دعا کرتے ہیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ دعا مانگنے والے کو چیخنے کی زحمت گوارا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چپکے سے دعا مانگو۔ لہٰذا آمین بھی چپکے سے کہو۔

(۲) مشکوٰۃ شریف باب القرأۃ فی الصلوٰۃ میں ہے۔ اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا آمین فانه

من وافق قولہ قول الملٰئکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔ (بخاری شریف) جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ جب معاف ہوں گے جب ہماری آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہوگی اور فرشتے تو آمین آہستہ کہتے ہیں جو ہم کو نہیں سنائی دیتی تو ہم کو بھی آہستہ ہی آمین کہنی چاہیئے۔ ورنہ فرشتوں کی مخالفت ہوگی۔ خیال رہے کہ یہاں وقت کی موافقت مراد نہیں ہے کیونکہ فرشتوں کی آمین کا وقت تو یہی ہے کیفیت میں موافقت مراد ہے یعنی آہستہ ہو۔

(۳) امام احمد ابو داؤد۔ طبرانی اور دار قطنی نے اپنی سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے کہ حضرت وائل ابن حجر نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور نے سورہ فاتحہ ختم فرمائی تو آمین کہا۔ واخفی بھا صوتہ اور آہستہ آواز سے آمین کہا۔

(۴) طبرانی نے تہذیب میں اور طحاوی نے اور ابن جریر نے اور ابو حفص بن شاہین نے حضرت ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں نہ تو بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔

(۵) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے آثار میں اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چار چیزوں کو امام آہستہ کہے۔ اعوذ۔ بسم اللہ۔ سبحانک۔ آمین۔

(۶) طبرانی نے کبیر میں ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں اعوذ۔ بسم اللہ۔ آمین بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔

(۷) عینی شرح ہدایہ نے حضرت ابو معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ۔ بسم اللہ۔ آمین اور ربنا لک الحمد۔

(۸) یہی حدیث منتخب کنز العمال میں ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

(۹) ابو داؤد، ترمذی اور ابن ابی شیبہ نے وائل ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ پڑھا اور آمین فرمایا وخفض بھا صوتہ۔ آمین میں اپنی آواز شریف پست رکھی۔

(۱۰) بیہقی نے ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ سیدنا عبد اللہ فرماتے ہیں۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے بسم اللہ۔ ربنا لک الحمد۔ آمین اور اعوذ باللہ۔

(۱۱) دارمی اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ جب قاری کہتا ہے ولا الضالین تو آسمان کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں جس کی آمین ان کی آمین کے موافق ہوگی اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ ان احادیث کی پوری تحقیق صحیح البہاری میں ملاحظہ کریں۔

عقلی دلیل: نماز کی ساری دعائیں، دعائے قنوت، دعائے ماثورہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں چونکہ آمین بھی ایک دعا ہے چاہیے کہ یہ بھی آہستہ کہی جاوے۔ نیز نماز میں سوا تکبیروں اور تلاوت کے کوئی ذکر بلند آواز سے نہیں کرتے اور آمین ان کے علاوہ ہے۔ چاہیے کہ یہ بھی آہستہ کہی جاوے۔ معترض کی پیش کردہ حدیثوں میں چند طرح گفتگو ہے۔ ایک یہ کہ آمین بالجہر کے مقابل قرآن کی آیت ہے کہ قرآن دعا آہستہ مانگنے کا حکم دے رہا ہے اور یہ احادیث بلند آواز سے آمین کہنے کا حکم دے رہی ہیں لہٰذا قرآن کو ترجیح ہونی چاہیے۔

دوسرے یہ کہ جب احادیث کی چھان بین کی جاوے تو آمین بالجہر کی احادیث میں صرف وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث صحیح ہے۔ جس میں ہے مد بہا صوتہ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ بلند آواز سے آمین فرماتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آواز کھینچ کر آمین کے الف اور میم کی مد سے ادا فرماتے تھے کیونکہ اس میں لفظ صوت ہے اور صوت آہستہ و بلند ہر طرح کی آواز کو کہتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ انہی وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں صراحۃً آچکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آمین فرماتے تھے یقیناً اس روایت میں بھی صوت سے آہستہ آواز ہی مراد ہونی چاہیے تاکہ ایک راوی کی روایتیں متعارض نہ ہوں۔

چوتھے یہ کہ جن روایتوں میں جہر کے الفاظ منقول ہیں اولاً تو وہ اسناد کے اعتبار سے صحیح نہیں دوم ان کے راویوں نے روایت بالمعنی کی ہے یعنی مد بہا صوتہ کا جہر سے ترجمہ کر دیا ہے اور صوت کے معنی وہ ہیں جو ہم نے عرض کر دیئے۔

پانچویں یہ کہ جب حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس سے حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یہاں آواز سے آمین کہنے کی حدیثیں قیاس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا اور آہستہ آمین کہنے کی حدیثیں قیاس کے مطابق لہٰذا آہستہ کی احادیث کو ترجیح ہے۔

چھٹے یہ کہ آہستہ آمین کی حدیثیں قرآن سے ترجیح پا رہی ہیں۔ لہٰذا ان پر عمل کرنا بہتر ہے۔

ساتویں یہ ہو سکتا ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنے کی حدیثیں منسوخ ہوں اور آہستہ کہنے والی حدیثیں ناسخ لہٰذا یہی قابل عمل ہیں۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بزرگان دین وفات کے بعد زندوں کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کچھ نہیں کر سکتے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اللہ کے پیارے بندے اپنی زندگی میں اور بعد وفات کے خلق کی مدد فرماتے ہیں بلکہ ان کے تبرکات اور ان کے

نام سے مخلوق کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ اب بھی حضور کے نام سے کافر مومن بنتا ہے۔ حضور کے ذریعہ سے رب تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور گناہ بخشتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔ اگر یہ مجرم اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آجاویں اور رب سے معافی چاہیں اور اے محبوب تم بھی ان کی شفاعت کرو تو یہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے۔ اس آیت میں زندگی شریف یا بعد وفات کی قید نہیں ہے۔ ہر وقت حضور کی بارگاہ میں جسمانی یا روحانی حاضری ضروری ہے۔ اسی لئے اب بھی فقہاء فرماتے ہیں کہ روضہ انور پر جو حاضر ہو تو یہ آیت پڑھے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام نے حضور کی معراج کی رات پچاس نمازوں کی پانچ کرا دیں (بخاری و مسلم) حالانکہ حضور کی معراج کے وقت موسیٰ علیہ السلام کو وفات پائے سینکڑوں سال ہو گئے تھے۔ جب بنی اسرائیل قوم جالوت سے لڑنے کے لئے گئے۔ تو رب نے انہیں ایک صندوق عطا فرمایا۔ جسے تابوت سکینہ کہا جاتا ہے۔ اس میں کیا تھا قرآن فرماتا ہے۔ فِیْهِ سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ اس میں موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے تبرکات نعلین شریف عمامہ شریف وغیرہ تھا۔ اس کے ذریعہ یہ لوگ دشمن پر فتح پاتے تھے۔ یہ تو وفات یافتہ بزرگوں کے تبرکات سے مدد لینا ہے۔ مشکوٰۃ باب الکرامات میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زمانہ میں قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے آپ سے بارش کی دعا کے لئے کہا تو فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کی چھت کھول دو۔ تاکہ قبر شریف اور آسمان میں آڑ نہ رہے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور فوراً بارش آئی۔ غرضکہ وفات یافتہ بزرگوں کی مدد کا مسئلہ نہایت ظاہر ہے۔ اس کی تحقیق دیکھنا ہو تو ہماری کتاب رحمت خدا بوسیلہ اولیاء میں دیکھو۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ملک میں بعض لوگ زمین گروی رکھ دیتے ہیں۔ قرض خواہ زمین کی پیداوار کھاتا رہتا ہے۔ پھر مقروض حسب موقع پورا قرض ادا کر کے زمین واپس لے لیتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ خالص سود ہے کیونکہ قرض خواہ اپنا قرض تو پورا وصول کرے گا باقی جو منافع زمین کا کھاتا رہا یہ قرض پر زیادہ ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ کل قرض جر نفعًا فهو ربوا۔ جو قرض نفع دے وہ سود ہے۔ قرض خواہ جو کسی کی چیز گروی رکھے اس کی آمدنی بالکل نہیں کھا سکتا۔ بلکہ آمدنی بھی امانتاً اپنے پاس رکھے گا اور ادائے قرض کے وقت وہ چیز اور یہ آمدنی کا روپیہ سب واپس کرے گا۔ دیکھو شامی و عالمگیری۔ اس کے لئے ایسا کرنا چاہیئے کہ حاجت مند قرض نہ لے اور زمین گروی نہ کرے بلکہ زمین کی بیع کر دے اور اس کی قیمت لے لے۔ لیکن بیعنامہ رجسٹری ہو جانے کے فوراً بعد خریدار کی طرف سے یہ اقرار نامہ رجسٹری کرا لے کہ

میں اقرار کرتا ہوں کہ جس وقت یہ شخص روپیہ (دام) میں چاہے گا میں اس زمین کو اتنی قیمت میں اس کے ہاتھ فروخت کر دوں گا۔ یہ بیع وفا کی ایک قسم ہے یہ بالکل جائز ہے اور اب جو زمین کی آمدنی یہ شخص کھائے گا وہ حلال ہوگی کیونکہ یہ زمین اس کی اپنی ہو چکی۔ جن فقہائے نے بیع وفا کو ناجائز فرمایا ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ واپسی کی شرط بیع میں داخل ہو کیونکہ بیع بالشرط فاسد ہوتی ہے۔ یہاں واپسی کی پابندی بیع کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ علیحدہ قرار داد ہے جیسے کوئی شخص باغ کی بہار خرید کر بعد میں درخت کرایہ پر لے اور بہار کے ختم ہونے تک درختوں سے فائدہ اٹھائے تو جائز ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی یہ ہے واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں غفرلہ

فتویٰ نمبر ۹۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو چاند کا اعلان ریڈیو پر ہو جاتا ہے یا تار یا خطوط آجاتے ہیں یا ٹیلیفونوں پر کسی سے دریافت کر لیتے ہیں یا ریل سے گزرتا ہوا مسافر کہہ جاتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ یا ٹیلیویژن پر اعلان ہو جاوے جس میں بولنے والے کی تصویر بھی سننے والے کے سامنے آجاتی ہے یا اخبار میں شائع ہو جاتا ہے کیا ان صورتوں میں چاند مان لیا جاوے گا اور اس اعلان پر روزہ یا عید کئے جا سکتے ہیں۔ جواب دلائل سے مزین ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل نے جن سات چیزوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے کسی چیز کا اعتبار نہیں اور ان سے چاند کا ثبوت نہ ہوگا نہ شرعی احکام اس پر مرتب ہوں گے کیونکہ چاند کے ثبوت کے لئے یا خبر کی ضرورت ہے یا شرعی گواہی کی۔ اور خبر کی تصدیق شرعی لازم ہے اور گواہی میں وہ تمام شرطیں درکار ہیں جن کی شریعت نے قید لگائی ہے قرآن کریم خبر کے بارے میں فرماتا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اے مسلمانو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر دے تو تحقیق کر لیا کرو۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی سامنے آکر بھی خبر دے تب بھی تحقیق ضروری ہے۔ ریڈیو، خط، اخبار وغیرہ میں پتہ نہیں لگتا کہ کون خبر دے رہا ہے۔ پھر اس کو کیسے مانا جاوے۔ گواہی کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ واشھدوا ذوی عدل منکم۔ اپنے میں سے دو عادل صاحبوں کو گواہ بناؤ۔ فرماتا ہے۔ فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان ممن ترضون من الشھداء اور اگر دو مرد گواہ نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بناؤ جن کے تقویٰ اور پرہیزگاری سے تم راضی ہو۔ معلوم ہوا کہ گواہی میں عدد کی بھی ضرورت ہے اور تقویٰ کی بھی قید۔ اخبار ریڈیو میں یہ شرطیں گم ہیں لہٰذا ان کا اعتبار کیسا۔ چونکہ آج کل اس مسئلہ کی بہت ضرورت ہے لہٰذا ہم کچھ تفصیل اس کی تمام صورتیں عرض کئے دیتے ہیں۔

(۱) **چاند کی خبر:** شعبان کی ۲۹ تاریخ کو اگر مطلع صاف نہ ہو تو ایک ہی شخص کا رمضان کے چاند کی خبر دینا کافی ہے۔ بشرطیکہ وہ شخص بظاہر فاسق و بدکار نہ ہو خواہ عورت کہہ دے یا مرد کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ یہ خبر صرف رمضان

کے چاند میں قبول ہوگی جبکہ مطلع گرد آلود ہو۔ رمضان کے علاوہ دیگر چاندوں میں گرد وغبار کی صورت میں دو عادل کی گواہی درکار ہے اور اگر مطلع صاف ہو تو ہر چاند کے لئے اتنی بڑی جماعت درکار ہے جن کا جھوٹا ہونا عقلاً مشکل معلوم ہو۔ چنانچہ ملتقی الابحر میں ہے۔ وقبل فی هلال رمضان خبر عدل ولو عبدا او انثی او محدودا فی قذف تاب ولا یشترط لفظ الشهادة وفی هلال الفطر وذی الحجة لشهادة حرین او حر وحرتین بشرط العدالة ولفظ الشهادة۔ عالمگیری میں ہے۔ ان کان فی السماء علة فشهادة الواحد علی هلال رمضان مقبولة اذا کان عدلا مسلما عاقلا بالغا حرا کان او عبدا۔ درمختار میں ہے۔ وقبل بلا علة جمع عظیم یقع العلم الشرعی وهو غلبة الظن۔

چاند کی شہرت: اس سے بھی چاند ہے۔ اسے فقہ میں خبر مستفیض کہتے ہیں اس خبر مستفیض کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی شہر سے ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی آوے اور کہے کہ فلاں شہر میں عام طور پر لوگ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے چاند دیکھ لیا۔ اس سے بھی چاند کا ثبوت ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ نعم لو استفاض الخبر فی البلدة الاخری لزمهم علی الصحیح من المذهب مجمع الانهر میں ہے۔ الصحیح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض فی بلدة اخری وتحقق یلزمهم حکم تلك البلدة۔ اس کو خواہ خبر متواتر کہو یا خبر مشہور کہو قبول ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ ہم سے بیان کرنے والی بڑی جماعت ہو۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شہر سے بڑی جماعت آکر کہے کہ فلاں شہر میں وہاں کے حاکم شرع یا فلاں مفتی نے چاند کی گواہی لے کر عید کا فتویٰ دے دیا۔ یا وہاں فلاں دن روزہ ہوا یا عید ہوگی۔ اس صورت میں بھی چاند کا ثبوت ہو جاوے گا۔ اور اس شہر والوں کو بھی ماننا پڑے گا۔ شامی کتاب الصوم میں ہے۔ قال الرحمتی معنی الاستفاضة ان تاتی من تلك البلدة جماعات متعددون کل منهم یخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤیة۔ اس صورت میں بھی شرط یہی ہے کہ جماعت کثیرہ ہم سے آکر کہے اخبار یا ریڈیو جماعت کثیرہ نہیں۔ غرضیکہ ریڈیو، اخبار، تار وغیرہ کی خبریں شرعاً قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان میں قبول کی شرعی شرطیں موجود نہیں۔

چاند کی گواہی: شریعت میں اس گواہی کی چند شرطیں ہیں۔ کہ اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو گواہی قبول نہیں (۱) گواہ کا مسلمان ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) بینا ہونا (۴) بولنے والا ہونا (۵) عادل یعنی نیک وصالح ہونا (۶) قاضی اور گواہ کا ایک جگہ ہونا (۷) عاقل ہونا (۸) مشہود بہ کو دیکھنا (۹) لفظ اشہد کا بولنا (۱۰) نصاب شہادت کا پورا ہونا۔ ان شرطوں میں سے اگر کوئی شرط نہ پائی جاوے تو گواہی شرعاً معتبر نہیں۔ ترمذی شریف میں ہے۔ وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا مجلود حدا ولا ذی غمر علی اخیه ولا ظنین فی ولاء ولا قرابة ولا القانع مع اهل البیت (مشکوٰۃ باب الشهادة) ابوداؤد شریف میں ہے ولا زان ولا زانیة ولا

زمان ولا ثنانیۃ (مشکوٰۃ) شامی باب الشہادت میں ہے گواہی کے شرائط میں فرماتے ہیں۔ فھی الحریۃ والبصر والنطق والعدالۃ وان لا یکون محدودا فی قذف وان لا یجر الشاھد الی نفسہ مغنما۔ یعنی شرح کنز الدقائق میں ہے شروط لکل ایۃ العدالۃ لانھا ھی المعینۃ الصدق قال اللہ تعالیٰ واشھدوا ذوی عدل منکم وقال اللہ تعالیٰ ممن ترضون من الشھداء والعدل وھو المرضی وھی شرط لزوم العمل بالشہادۃ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اما رکنھا فلفظ اشھد بمعنی الخبر دون القسم۔ قدوری میں ہے۔ فان لم یذکر الشاھد لفظۃ الشھادۃ وقال اعلم او اتیقن لم تقبل شہادتہ۔ عالمگیری وشامی میں ہے۔ والعدد فی الشھادۃ فیما یطلع علیہ الرجال واتفاق الشاھدین ملخصا۔

غرضیکہ گواہی میں ان دس شرطوں کی ضرورت ہے اور ریڈیو پر بولنے والا نہ تو گواہی کا لفظ بولتا ہے اور نہ حقیقۃً صلاح ہونا اس کا یقین ہے کیونکہ ہم کو تو دکھائی ہی نہیں دیتا کون بول رہا ہے۔ نہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے۔ قاضی صاحب پشاور میں ہے اور ریڈیو والا کراچی میں۔ نہ وہاں گواہی کا نصاب ہے نہ وہ کہتا ہے کہ میں نے چاند خود دیکھا بلکہ صرف خبر دیتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا۔ لہٰذا ریڈیو کا اعلان ناقابل قبول۔ خبر معتبر کی شرطیں ہم پہلے عرض کر چکے۔

گواہی کے اقسام: گواہی کی تین قسمیں ہیں۔ ایک اصل واقعہ کی گواہی۔ دوسرے گواہی پر گواہی۔ تیسرے قاضی کے فیصلہ کی گواہی یعنی شہادت علی القضاء۔

واقعہ کی گواہی میں تو وہ شرائط ہیں جو اوپر بیان کی گئیں۔ اور گواہی پر گواہی کی شرط یہ بھی ہے کہ جب گواہ نے خود تو چاند نہیں دیکھا مگر دو آدمیوں عادلوں نے ان کے سامنے گواہی دی ہو اور انہیں اپنی گواہی پر گواہ کیا ہو۔ یہ دونوں قاضی کی مجلس میں آکر اس طرح گواہی دیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں نے انتیس تاریخ کا چاند دیکھا۔ اور ہر ایک نے ہمیں اپنی اپنی گواہی پر گواہ بنایا۔ اس سے بھی چاند کا ثبوت ہو جاوے گا۔ چنانچہ تنویر الابصار میں ہے۔ الشہادۃ علی الشھادۃ مقبولۃ وان کثرت وکیفیتھا ان یقول الاصل مخاطبا للفرع اشھد علی شھادتی انی اشھد بکذا ویقول الفرع اشھد ان فلانا اشھدنی علی شھادتہ بکذا وقال لی اشھد علی شھادتی بذالک (ملخصا) فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وینبغی ان یذکر الفرع اسم الشاھد الاصل واسم ابیہ واسم جدہ حتی لو ترک ذالک فالقاضی لا یقبل شھادتھما کذا فی الذخیرۃ۔

شہادۃ علی القضاء میں شرط یہ ہے کہ کسی شہر کے مفتی و قاضی کے پاس عادل گواہ آکر یہ گواہی دیں کہ فلاں شہر کے مفتی یا قاضی کے پاس ہماری موجودگی میں دو عادل گواہ آئے اور انہوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ان

مفتی صاحب نے ان کی گواہی سے چاند کا حکم فرما دیا۔ اب اس شہر کے مفتی صاحب بھی اس گواہی قضا پہ چاند کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔ مجمع الانہر میں ہے۔ قالوا لو رای اهل المغرب هلال رمضان يجب برؤيتهم على اهل المشرق اذا ثبت عندهم بطريق يوجب كما لو شهدوا عند قاضى مصر من اهل بلدة على ان قاضى بلد كذا شهد عنده شاهدان برؤية الهلال فى ليلة كذا وقضى القاضى بشهادتهما جاز لهذا القاضى ان يقضى بشهادتهما لان قضاء القاضى حجة وقد شهدوا به۔ اور ظاہر ہے کہ ریڈیو میں یہ بھی صورت نہیں ہے۔ وہ محض ایک خبر دیتا ہے اگر یہی دو آدمی یہ کہیں کہ فلاں جگہ کے قاضی کے سامنے گواہیاں گذریں اور قاضی صاحب نے چاند کا حکم دے دیا مگر ہم گواہیوں کے وقت موجود نہ تھے۔ تو یہ گواہی اس دوسرے قاضی یا مفتی کے لئے کافی نہیں اور نہ ہی یہ قاضی چاند کا حکم دے سکتا ہے۔ درمختار میں ہے۔ نقل الشهادة بقضاء القاضى صحيحة وان لم يشهدها القاضى عليه وقيده ابو يوسف بمجلس القضاء وهو الاحوط ذكره فى الخلاصة۔

چاند کی افواہ۔ اگر شہر میں یہ خبر اڑ گئی کہ چاند ہو گیا۔ مگر جس سے پوچھو وہ یہی کہتا ہے کہ سنا ہے کہ چاند ہو گیا۔ دیکھنے والے کا پتہ نہیں چلتا۔ وہاں کوئی مفتی نہیں ہے یا اگر ہے تو لوگ اس کی بات مانتے نہیں خواہ مخواہ نقارہ یا گولہ چلا دیتے ہیں۔ تو اس سے چاند کا ثبوت نہ ہو گا۔ چنانچہ شامی میں ہے مجرد الشيوع من غير علم بمن اشاعه فمثل هذا لا ينبغى ان يسمع فضلا ان يثبت (ملخصا)

اخبار، خطوط، ٹیلیفون، تار، ریڈیو وغیرہ۔ اگر اخبار میں کسی جنتری کی انتیس تاریخ کے حساب سے تاریخیں پڑھی ہوں۔ یا یہ خبر شائع ہوئی ہو کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ تو اس سے چاند کا ثبوت نہ ہو گا۔ اولاً تو اخبار کی خبریں بسا اوقات گپ نکلتی ہیں اور اگر یہ خبر درست بھی ہو تو بھی بغیر تحقیق قابل قبول نہیں۔ چنانچہ شامی میں ہے: فانهم لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية غيرهم۔

اسی طرح کہیں سے خط آتا ہے کہ یہاں چاند ہو گیا۔ معتبر نہیں کیونکہ الخط يشبه الخط فلم يحصل العلم۔ ایک خط دوسرے خط سے مل جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے علم حاصل نہ ہو گا۔ درمختار میں ہے۔ لا يعمل بالخط۔ الاشباہ والنظائر میں ہے لا يعتمد على الخط ولا يعمل به۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے۔ والخط يشبه الخط۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ الكتاب قد يفتعل ويزور الخط يشبه الخط والخاتم يشبه الخاتم۔ قاضی خاں میں ہے۔ القاضى انما يقضى بالحجة والحجة هى البينة والاقرار۔ اما الصك لا يصلح حجة لان الخط يشبه الخط۔ غرضکہ فقہاء کے نزدیک خط، ہیر، تحریر پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے تار اور ٹیلیفون تو بالکل ہی قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ ان میں نہ بولنے

والا سامنے ہوتا ہے تو اس کی تقریر نہ معلوم کرنا بہل رہا ہے۔ ھدایہ میں ہے۔ ولو سمع من وراء الحجاب لا یجوز ان یشھد ولو فسر للقاضی لا یقبلہ لان النغمۃ تشبہ النغمۃ فلم یحصل العلم معلوم ہوا کہ جہاں گواہ پردے کے پیچھے ہو تو گواہی معتبر نہیں۔ کیونکہ ایک آواز دوسری آواز سے بھی مل جاتی ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ ولو سمع من وراء الحجاب لا یسعہ ان یشھد لاحتمال ان یکون غیرہ اذا النغمۃ تشبہ النغمۃ۔

ریڈیو: جو خرابیاں اور دشواریاں تار و ٹیلیفون میں ہیں۔ اس سے زیادہ دشواری ریڈیو میں موجود ہے۔ کیونکہ ریڈیو میں بھی خبر نہیں ہوتی کہ بولنے والا کون ہے۔ مسلمان ہے یا کافر۔ مسلمان ہے تو فاسق ہے یا عادل اور اس نے کس ذریعہ سے یہ خبر حاصل کی۔ اس کے علاوہ تار و ٹیلیفون پر سوال پر جواب بھی کر سکتے ہیں۔ مگر ریڈیو پر کچھ نہیں کر سکتے۔ تار ٹیلیفون ہر قصبہ و گاؤں میں پہنچ سکتا ہے۔ مگر ریڈیو ہر جگہ نہیں سنا جاتا۔ تار ٹیلیفون ہر جگہ سے دیا جا سکتا ہے مگر ریڈیو کی اطلاع ہر جگہ سے نہیں دی جا سکتی۔

غرضکہ یہ نئے آلات خبر رسانی میں تو کام آ سکتے ہیں۔ مگر شرعی شہادتوں میں معتبر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے آج کچہریوں کے مقدمے ریڈیو یا تار یا ٹیلیفون کی خبروں پر فیصلے نہیں ہوتے۔ بلکہ گواہ کچہری میں بلائے جاتے ہیں۔ اور باقاعدہ گواہی لی جاتی ہے۔ پھر فیصلہ ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ جب دنیاوی جھگڑوں کے فیصلے ریڈیو وغیرہ سے نہیں ہوتے تو دینی امور جن میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ وہاں یہ خبریں کیسے معتبر ہو سکتی ہیں۔

ہاں اگر کوئی صحیح العقیدہ سنی عالم حکومت کی طرف سے چاند کی تحقیق پر مقرر ہو تو وہ شرعی گواہی لے کر اپنے آپ یا اپنے کسی وکیل کے ذریعہ ریڈیو پر اپنے فیصلہ کا اعلان کرے کہ میں نے یہ تحقیق کر کے فیصلہ کیا ہے تو شاید معتبر ہو جائے۔ جیسے نقارہ اور گولوں کی آواز سن کر یا شہر کا چراغاں دیکھ کر آس پاس کے لوگ چاند مان لیں۔ چنانچہ رد المحتار میں ہے۔ قلت والظاھر انہ یلزم اھل القری الصوم بسماع المدافع او رؤیۃ القنادیل فی المصر لانہ علامۃ ظاھرۃ تفید غلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل کما صرحوا بہ واحتمال کون ذالک لغیر رمضان بعید اذ لا یفعل مثل ذالک عادۃ فی لیلۃ الشک الا لثبوت رمضان۔

لیکن ظاہر ہے کہ اب تک حکومت کی طرف سے نہ اس چیز کا اہتمام ہوا ہے اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔ اور اگر اہتمام کر بھی لیا گیا تو یہ صورت باقی نہ رہے گی۔ وہاں عالم کبھی مرزائی مقرر ہوگا کبھی وہابی۔ کبھی چکڑالوی پھر وہ عالم نہ معلوم کس طرح گواہی لے اور کس کی گواہی سے کر اعلان کرائے لہٰذا ریڈیو سے اعلان کا کوئی اعتبار نہیں۔

نوٹ ضروری: نہ معلوم موجودہ مسلمانوں کو چاند کا اتنا شوق کیوں پیدا ہو گیا ہے ہم کو شریعت نے اس کا مکلف نہیں کیا کہ ایسی مصیبتیں اٹھا کر خواہ مخواہ چاند مانیں اور عید و رمضان منائیں۔ ہم کو تو ہمارے آقا و مولیٰ حضور مصطفیٰ صلی

علیہ وسلم نے نہایت آسان حکم دیا کہ ان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین ۔ اگر چاند مشتبہ ہو جاوے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو ۔ اس گنتی پوری کرنے میں نہ کچھ شک ہے نہ معصیت لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے موقعہ پر رمضان کے تیس دن پورے کر لیا کریں ۔

خاتمہ: بعض لوگ جنتری کا بڑا اعتبار کرتے ہیں اور بعض لوگ چاند کو چھوٹا بڑا دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ چاند کل کا ہے یہ دو قول جنتری غیر معتبر ہیں ۔ چاند کا ثبوت جنتری سے نہیں ہو سکتا ۔ اس کے لئے روایت عرض دی ہے ۔ عالمگیری میں ہے ۔ وھل یرجع الی قول اھل الخبرۃ العدول ممن یعرف علم النجوم الصحیح انہ لا یقبل ۔ طحطاوی میں ہے وقولہ لیس بموجب شرعاً قطعاً ولا صوماً ۔ مراقی الفلاح میں ہے ۔ وقول اھل التوقیت لیس بموجب ۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے ۔ لا یلتفت الی قول المنجمین ۔ شامی میں ہے ۔ لا یعتبر قولھم بالاجماع ولا یجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ ۔ درمختار میں ہے ۔ لا عبرۃ لقول المؤقتین ولو عدولاً علی المذھب ۔ اسی طرح چاند بڑا ہونے کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے ۔ من اقتراب الساعۃ انتفاخ الاھلۃ (طبرانی) اسی طبرانی میں بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے ۔ من اقتراب الساعۃ ان یری الھلال لیلۃ فیقال لیلتین ۔ یعنی قرب قیامت کی علامات سے چاند کا بڑا ہو جانا ہے کہ ایک رات کے چاند کو کہا جاوے گا کہ یہ دو راتوں کا ہے ۔ بہر حال سوا رؤیت یا گواہی یا خبر شائع کے اور کسی چیز سے چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا ۔

واللہ ورسولہ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ

واصحابہ اجمعین ۔

احمد یار خان عفی عنہ

حکیم الامت شیخ التفسیر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

کا ترجمہ

مشکوٰۃ شریف

(کامل) دو جلدیں

عنقریب پورے اہتمام کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے

مکتبہ اسلامیہ • بم اردو بازار لاہور